۵ خزاں ۱۹۹۰

آج

ترتیب : اجمل کمال

منوچہر خسروشاہی　بابا مقدم　جمال میر صادقی

ثروت حسین　ذی شان ساحل　اوکتاویو پاز

یہودا امیخائی　جولین بارنز　فاروق خالد

محمد خالد اختر　علی امام نقوی

خورخے لوئس بورخیس

آج کی کتابیں

Scanned with CamScanner

آج

ستمبر ۱۹۹۸

مینیجنگ ایڈیٹر، پبلشر
زینت حسام

اہتمام
آج کی کتابیں
بی ۱۳۰ سیکٹر ۱۱ بی نارتھ کراچی ٹاؤن شپ کراچی ۳۶

کمپوزنگ
پبلشرز یونائیٹڈ
۹۸ دارالامان کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی

طباعت
ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی

تقسیم کار
مکتبۂ دانیال
وکٹوریہ چیمبرز نمبر ۲ عبداللہ ہارون روڈ کراچی

کلاسیک
شاہراہ قائداعظم لاہور

ترتیب

۷
منوچہر خسروشاہی
مرگ

۱۳
بابا مقدم
بارش اور آنسو

۱۹
جمال میر صادقی
ہوا کی نوک

۲۳
ثروت حسینی
خوب رو چلتے اگر — بنفشی دھند — بندرگاہ میں صبح
حمد — شاعری کا پرندہ — ابھی تو میسّر مجھے بال و پر ہیں
دوپہر کی سلطنت میں — مٹی — نیند سے باہر
صبح روز گھوڑے — ایک دن میں نے پھولوں سے پوچھا

Scanned with CamScanner

۲۸
ذی شان ساحل
شاعر اور مسخرے | کشتی
پیشرفت اپنے | شہر | نظم
ایک گیت جو کبھی پورا نہیں ہوتا

۳۵
اوکتاویو پاز
نیلی آنکھوں کا گلدستہ
تیر کے ساتھ میری زندگی

۴۰
یہودا امیخائی
یہ کہ قطر | میری سابقہ طالبہ علم | یروشلم کیسی ہے
وہ مکان جس میں میں نے کئی خواب دیکھے
جو لوگ اپنا گھر چھوڑتے ہیں | زندگی میں بعد از وقت
تم مجھ کو اندر مجھ سے ملنے آتی ہو
ہماری محبت کی عرصہ میں | ہمارے جسموں کے نشان کی طرح
بہت دنوں سے | نیل گھر لڑتا ہے | اونچی ایڑی کے جوتے
میدانِ جنگ پر بارش | خدا کی تقدیر | ایک بار | جاسوس
وہ مجھے بلاتے ہیں | میں جس شہر میں پیدا ہوا
میرے پاس جنگ کے بارے میں کہنے کو کچھ نہیں

۵٦
جولین بارنز
ایما بوواری کی آنکھیں

٦۵
فاروق خالد
اپنی دعاؤں کے اسیر ۔ ۲

۸۲
محمد خالد اختر
ہندوستان کی سرسری تاریخ ۔ ۳

۹۹
علی امام نقوی
میراث

انتخاب

۱۰۷
خورخے لوئس بورخیس
زخم کا ہلال | المعتصم
پیراسلزو | گواہ | نظرات | خنجر | الوداع
یونانی انتھولوجی کے ایک چھوٹے شاعر سے | شطرنج
مئی ۲۰، ۱۹۲۸ | دو مابعدالطبیعاتی پیکر

Scanned with CamScanner

منوچہر خسروشاہی

مرگ

بہار آتے ہی وہ نمودار ہو گئی تھی۔ شروع شروع میں کچھ بہت زیادہ نہیں تھی، بس کہیں کہیں دکھائی دے جاتی تھی کہ خود کو ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر گھسیٹ کر لیے جا رہی ہے۔ اور اس میں کوئی کوئی ہلکان ہو کر زمین پر ٹپک پڑتا۔ تم اس کے قریب جاتے تو دیکھتے کہ وہ کس طرح پڑے پڑے بل کھا رہا ہے اور اتنی اتنی سی ٹانگیں ہوا میں چلا رہا ہے۔ میں ان دنوں درخت پر بہت چڑھا کرتا تھا، اور ان میں سے جو زمین پر آ رہتے تھے ان کو روز دیکھتا تھا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ میں دیر تک کسی ایک کے قریب کھڑا اس کے ہاتھ پاؤں مارنے کا تماشا دیکھتا رہتا۔ اس کی جدوجہد بیکار جاتی اور اسے سنبھلنا نصیب نہ ہوتا۔ ہمیشہ یہی ہوتا تھا، جو بھی نیچے ٹپکتا، پہلے تو بڑا زور لگاتا، بل کھاتا، ہاتھ پاؤں پھینکتا، لیکن رفتہ رفتہ سست پڑنے لگتا اور آخر اپنی جگہ پر سیدھا سیدھا لیٹ جاتا۔ اور ٹھیک اس وقت چیونٹیوں کی پہلی کھیپ آ پہنچتی اور میں دیکھتا کہ کس طرح وہ اس کے گرد چکر کاٹ رہی ہیں اور اپنے چھوٹے چھوٹے سینگوں سے چھو چھو کر اس کی جسامت کا اندازہ کر رہی ہیں۔ ان کے پہلے لمس سے اس نڈھال بدن میں دوبارہ جان سی پڑ جاتی۔ وہ سنبھالا لیتا اور پھر سے بل کھانے لگتا۔ کئی بار اس کی ٹانگوں کو جھٹکے لگتے لیکن اب مہلت نہیں مل سکتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چیونٹیاں کسی ان دیکھے مرکز سے اُبلتی چلی آ رہی ہیں۔ دیکھتے دیکھتے وہ اس کے پورے بدن کو ڈھانپ لیتیں، اور سب اسے اپنی اپنی طرف کھینچتیں۔ اس کا ایک ایک ریزہ نوچ کر لے جاتیں۔ پھر اس بے ہیئت وجود میں نمی کی جو دو ایک بوندیں رہ جاتیں انھیں دھوپ چوس لیتی اور تھوڑی دیر بعد تم دیکھتے کہ کس طرح وہ سوکھا اور سیاہ اور آدھا کچھا درمیان سے سمٹا پڑا رہ گیا ہے۔

چیونٹیاں بڑی پھرتی سے اپنا کام کرتی تھیں۔ سورج ڈوبتے ڈوبتے چھٹی کر دیتیں، اور ان

گئیں۔ وہ سوکھے ہوئے جسموں میں سے چند ٹیڑھی میڑھی اور ٹوٹی پھوٹی ٹانگوں کے سوا کچھ نہ رہ جاتا۔

وہی ہوتا تھا۔ شروع شروع میں تو میں جب بھی دیکھتا کہ ان میں سے کوئی نیچے لٹک رہی ہے تو اس کے قریب پہنچ جاتا اور اس کھیل کو آخر تک دیکھتا تھا۔ لیکن اس کے بعد ان کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ اگر دنیا بھر کی چیونٹیاں اکٹھی ہو جاتیں تو بھی ان کو ٹھکانے نہیں لگا سکتی تھیں۔

کبھی کبھی، جب رات کو میری نیند اڑی ہوتی ہوتی، میں بستر میں بیٹھا کان لگائے رہتا۔ ٹپ ... ٹپ، ایک اور ...

ooooo

اس کے بعد مجھے رات رات بھر جاگتے گذرنے لگی، اس لیے کہ یہ آواز مستقل میرے کانوں میں آتی رہتی تھی۔

ایک رات میں کھڑکی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا کہ مجھے ماں کے رونے کی آواز سنائی دی۔ وہ میرے سامنے بیٹھی رو رہی تھی۔ میں اس کا رونا پہچانتا تھا۔ چھوٹی چھوٹی ہچکیاں اور بین، جو سمجھ میں نہیں آتے تھے، جیسے اپنے آپ کو مرثیہ سنا رہی ہو۔ اس رات میں نے اس کا رونا سنا تو ایسا محسوس ہوا کہ میرے اندر سے کوئی شے چیخ کر الگ ہو گئی۔ میں کپکپا کر رہ گیا۔ اور مجھ کو ساری دنیا گھومتی معلوم ہوئی۔ ماں کی ہچکیوں کی آواز فضا میں پہنچ گھٹتی، اور پھر ان کی ٹپ ٹپ کی آواز میں مل کر ایک ہو جاتی۔ وہ لگاتار ٹپک رہے تھے، اور ماں رو رہی تھی، روئے جا رہی تھی۔

میں چیخیں مارتا ہوا کمرے سے باہر لپکا اور ٹھیک اسی وقت کوئی چیز میرے سر پر گری ... ٹپ ... پھر مجھے کچھ یاد نہ رہا۔

ooooo

ماں کہنے لگی:

"یہ درخت اب کی گرمیوں تک نہیں رہ پائے گا۔ سارے گھر میں چیونٹیاں بھر گئی ہیں۔ کیڑوں کو لے جانے کے لیے جتھے بنا بنا کر آتی ہیں۔ مگر یہ تو اتنے ہو گئے ہیں کہ چیونٹیوں کے بس کے نہیں رہے۔ میں جب کتنی کتنی بار صحن میں جھاڑو دیتی ہوں، کچھ فائدہ نہیں۔ اب تو کوڑا کرکٹ سارے یہاں سے بس کیڑے اور چیونٹیاں ڈھونے بھر کی رہ گئی ہے۔"

سارے گھر کا اکیلا درخت کیڑوں میں بدلا جا رہا تھا، اور چیونٹیاں انہیں اپنے بلوں میں لیے جا رہی تھیں، اب کے انہیں جاڑوں کی خوراک کی کوئی پریشانی نہیں تھی۔

وہ انڈے دیتیں، اور بہار آتی تو جوان چیونٹیاں بلوں سے رینگتی ہوئی باہر آتیں۔ بہار آتی تو ہمارا درخت بس چیونٹیوں کی صورت جوان ہو کر ابھرتا تھا۔

سارے گھر کا اکیلا درخت جو آتے جاتے موسموں کا اشارہ تھا، جاڑوں میں اس کی شاخیں ننگی ہو جاتیں۔ ایسا معلوم ہوتا کہ وہ سردی سے کانپ رہا ہے، اور بےمروت آسمان سے ذرا سی دھوپ کی بھیک مانگ رہا ہے۔ بہار آتی تو ہری ہری صاف ستھری پتیوں سے خود کو سجا لیتا۔

اور گئی بہاروں کی یاد تازہ کرتا۔ اور گرمیاں ... گرمیوں میں تو ہم سبھی اس کے محتاج رہتے۔ وہ اپنی چھتری بےدریغ ہم پر تانتا، اور خود جھلستی دوپہروں کی دھوپ کا جم کر مقابلہ کرتا۔ شام ہوتی جب سورج ڈوبنے لگتا اور درخت کا سایہ دور تک پھیل جاتا تو صحن میں جھاڑو دی جاتی اور درخت کے نیچے قالین بچھا دیا جاتا۔ سماور کی سریلی سنسناہٹ اور پیالیوں طشتریوں کی کھنک سنائی دیتی۔ بڑبڑاتی ہوئی ماں جلدی جلدی سب سامان تیار کر کے لگا دیتی، اور میں الکسایا ہوا کمرے سے باہر نکلتا اور سماور کی چوکی کے پاس آ بیٹھتا۔

گذشتہ گرمیوں تک یہی معمول تھا۔ گذشتہ گرمیوں تک میرا باپ زندہ تھا۔ اس کا تخت اسی درخت کے نیچے بچھایا جاتا تھا۔ ہم دو لوگ اس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے لاتے۔ پھر وہ ہلکا چادرا اوڑھے لیٹا رہتا تھا۔ ماں اس کا سرہانا ٹھیک کرتی، اور وہ تکیے سے ٹیک لگائے دھیرے دھیرے ہانپتا اور ہمیں دیکھتا رہتا تھا۔ وہ مفلوج تھا۔ موت نے اس پر وار کیا تھا جو کاری نہیں پڑا۔ وہ فقط اپاہج اور گونگا ہو گیا تھا۔

معالجوں کا کہنا تھا امید رکھنا چاہیے۔ اگر وہ دوسرے حملے کو بھی جھیل جائیں ... دوسرا وار ... میں جانتا تھا کہ وہ دوسرے وار کو روک نہیں پائے گا۔

کبھی کبھی ایک بڑے میاں، جو ہمارے یہاں آنے جانے والے واحد پڑوسی تھے، میرے باپ کی احوال پرسی کے لیے آ نکلتے اور چائے کے برتنوں کے پاس کچھ دیر بیٹھتے۔ ان کی ٹھوڑی ہلتی رہتی اور نقلی دانتوں کا ڈھیلا چوکا منھ میں ادھر ادھر ہوا کرتا۔ وہ میرے باپ کے سوکھے ہوئے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھتے:

"کہو بھئی کیا حال ہے؟ ٹھیک ہو؟"

پھر تسبیح گھما گھما کر وظیفہ پڑھنے لگتے۔ ماں اپنا چہرہ ڈھانک کر ایک طرف سمٹ جاتی۔ بڑے میاں اس سے بات نہیں کرتے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر چلے جاتے، اور گھر پھر سے خالی ہو جاتا۔

گرمیاں نکل گئیں۔ شروع جاڑوں میں موت نے دوسری اور کاری ضرب لگا ہی دی۔ اب اگر درخت گرمیوں تک رہ بھی جاتا، اگر سارے کیڑے اور چیونٹیاں غائب بھی ہو جاتیں اور یہ کابوس جاتا بھی رہتا، اور پھر سے شام کو صحن میں جھاڑو اور چھڑکاؤ کی سماسمی ہونے لگتی، اور سماور سے سریلی سنسناہٹ بلند ہوا کرتی، تو بھی میرا باپ نہ ہوتا کہ تخت پر پڑا دھیرے دھیرے ہانپتا رہے اور ہمیں دیکھتا رہے۔

ooooo

درخت گرمیوں تک نہیں رہ پائے گا، جیسے میرا باپ نہیں رہ پایا۔ درخت آہستہ آہستہ مر چلا تھا، اندر ہی اندر بوسیدہ ہو کر کیڑوں کی شکل میں باہر ٹپک رہا تھا اور سیدھا چیونٹیوں کے پرپیچ، تاریک، رازوں بھرے تہ خانوں میں پہنچ رہا تھا، اور وہاں اس کا انبار لگ رہا تھا۔

درخت مر رہا تھا، اور ہمارا گھر اور بھی خالی ہوا جا رہا تھا۔

آخر جاڑے ختم شروع ہوئے۔ پہلے تو میں نے پڑوس والے بڑے میاں کو بلوا بھیجا۔ جو میرے باپ کے فاتحہ کے بعد سے ہمارے یہاں نہیں آتے تھے، البتہ کبھی کبھار گلی میں آتے جاتے

Scanned with CamScanner

ملتے تو صاحب سلامت اور مختصر احوال پرسی کر لیا کرتے تھے۔ وہ غروب کے وقت آئے۔ کچھ شرمندہ، کچھ افسردہ سے تھے۔ ہاتھ میں وہی تسبیح ٹھہرے ٹھہرے گھما رہے تھے۔ ماں سر سے چادر اوڑھ کر دروازے کے پاس آ بیٹھی۔ بڑے میاں نے آہستہ سے حال پوچھا۔ وہی ہمیشہ والی احوال پرسی جو میرے باپ سے ہوتی تھی:

"کہو بھئی، کیا حال ہے؟ ٹھیک ہو؟"

میں نے انہیں معاملہ بتایا۔ اس وقت میں تھوڑا جھنجھلایا ہوا تھا۔ بڑے میاں کسی سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر بولے:

"چلو، ذرا دیکھیں تو۔"

میں نے چراغ جلایا اور ہم تینوں صحن میں آ گئے۔

درخت بھر پر کیڑوں کی رینگ جمع ہوئے تھے۔ پھر ٹپ ٹپ کی آوازیں سنائی دیں۔ ماں بولی:

"ابھی شام ہی کو جھاڑو دے کر باہر پھینک چکی ہوں۔ اسی طرح ٹپکے جا رہے ہیں۔ اے اللہ، تو ہی کچھ کر۔"

بڑے میاں کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہے تھے اور کیڑوں کو گھور رہے تھے۔ پھر انہوں نے گردن اٹھائی اور درخت کے تنے اور ٹہنیوں کو دیکھا کہ کوڑھیوں کے بدن کی طرح گل رہے ہیں۔

پھر ہم کمرے کے اندر آ گئے۔ چراغ کی روشنی میں یہ دیکھ کر میں سن رہ گیا کہ ایک کیڑا بڑے میاں کے شانے پر سے ٹپکا اور فرش پر بل کھانے لگا۔ میں نے جلدی سے بڑھ کر اسے مارا اور کمرے کے بیچ میں ڈال دیا۔ ماں لپکی۔ اسے ایک کاغذ سے پکڑ کر اٹھایا اور باہر پھینک آئی۔

بڑے میاں کہنے لگے:

"میں سوچ رہا تھا مٹی بدلوا دی جائے، لیکن اس سے کچھ نہیں ہو گا۔ مٹی میں بھی کیڑے پڑ گئے ہیں۔ اب کوئی صورت نہیں۔ لکڑہاروں کو بلوانا ہو گا۔"

دوسرے ہی دن آدمی آ گئے۔ بڑے میاں نے انہیں بھیجا تھا کہ درخت کو جڑ سے کھود کر لے جائیں۔

○○○○○

ماں کمرے کے اندر تھی۔ چادر والیاں اس کو گھیرے ہوئے تسلی دے رہی تھیں۔ ہر طرف رونے کی آواز تھی۔ مرد پہلو والے کمرے میں جمع ہو گئے تھے۔ سب اکتائے ہوئے اور اداس اداس تھے۔ ابھی صبح ہوئی تھی، لیکن معلوم ہوتا تھا اندھیرا ہو رہا ہے۔ سیاہ متحرک پرچھائیوں سے کمرے بھرے ہوئے تھے۔ میرا باپ بغلی کمرے میں تخت پر سیدھا سیدھا لیٹا تھا اور مرا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ ڈھک دیا گیا تھا۔ رات سے صبح تک قرآن خواں اس کے سرہانے تلاوت کرتا رہا تھا۔ میں اور میری کھلائی ایک کونے میں سکڑے بیٹھے تھے۔ قرآن خواں نے صبح تک دم بھر کو بھی تلاوت نہیں روکی تھی۔ آدھی رات گئے مجھے نیند آ گئی تھی۔ اور میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ میرا باپ دونوں ہاتھ پھیلائے صحن کے بیچوں بیچ کھڑا ہے اور اس کا سارا بدن کیڑوں

سے ڈھکا ہوا ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جب بھی ان میں سے کوئی کیڑا نیچے ٹپکتا ہے، میرا باپ تھوڑا سا سکڑ جاتا ہے، لیکن وہ ہنس رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ہنس رہا ہے اور ریزہ ریزہ ہوا جا رہا ہے۔ میں چیخیں مارتا ہوا اس کی طرف دوڑا، اور میری آنکھ کھل گئی۔ قرآن خواں کی آواز، رات کی سیاہی کو بڑھاتی ہوئی، اندھیرے میں تیرتی چلی جا رہی تھی۔ میرا باپ تخت پر سیدھا سیدھا لیٹا ہوا تھا۔ پوشش کے نیچے اس کا بدن چھوٹا سا معلوم ہو رہا تھا۔

روشنی پھیلی، قرآن خواں کی آواز تھم گئی، سیاہ لباس والے آنا شروع ہوئے، اور کمرے ان سے بھر گئے۔ پھر اچانک ساری آوازیں بند ہو گئیں، اور میں نے سنا کہ میرے باپ کو لے جانے کے لیے لاش گاڑی آ گئی۔

○○○○○

چھکڑا دروازے پر کھڑا تھا۔ درخت جڑ سے اکھڑ چکا تھا اور بیچ صحن میں سیدھا لیٹا تھا۔ کیڑوں سے صحن کے فرش کی اینٹیں چھپ گئی تھیں۔ چیونٹیاں بولائی ہوئی سارے میں دوڑتی پھر رہی تھیں، بدحواس ہو رہی تھیں، اور آدمی گڑھے کے کنارے کھڑے تھے اور ماتھوں سے پسینہ پونچھ رہے تھے۔ گڑھے کے ایک طرف مٹی کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔

○○○○○

دو آدمی گڑھے کے اندر کھڑے تھے۔ میت لائی گئی تو انہوں نے اسے ہاتھوں پر سنبھال کر نیچے رکھ دیا۔ سب نے درود پڑھا۔ عورتوں کے بین اور بلند ہو گئے، اور مردوں کے شانے زیادہ زور زور سے ہلنے لگے۔ ایک بڑی کٹی عورت ماں کو چھاپ بیٹھی اور اسے تسلی دینے لگی۔ ماں اس کی توند کے نیچے دبی ہوئی کسی چوزے کی طرح کانپ رہی تھی۔ اب سب میرے باپ کو مٹی دینے لگے۔ وہ گٹھری کی طرح سمٹ کر چھوٹا سا رہ گیا تھا۔ مٹی کے نیچے کہیں کہیں اس گٹھری کی سفیدی نظر آ رہی تھی، لیکن یہ سفید دھبے ٹھہرے ٹھہرے غائب ہو رہے تھے، اور اب ہر مٹی کی تہ چڑھتی جا رہی تھی۔ رونے پیٹنے کی آوازیں بڑے آہنگ اور باقاعدگی کے ساتھ دھیمی ہوتی جاتیں، پھر نیچے آتیں، پھر رفتہ رفتہ اونچی ہوتی جاتیں۔ کوئی کرتی آواز ایسی بھی ہوتی کہ لمحہ بھر کو گلے سے ٹکراتی اور دوسرے لمحے غائب ہو جاتی۔ معلوم ہوتا تھا مدتوں اس کی مشق کی گئی ہے۔

○○○○○

گڑھا پاٹا جا چکا تھا اور اب اینٹیں چنتا تھے۔ صحن میں چیونٹیاں اور کیڑے اور آدمی بھاگتے پھر رہے تھے۔ صحن کا دروازہ چاروں پاٹ کھول دیا گیا تھا۔ اور درخت کو باہر گھسیٹا جا رہا تھا۔ اور صحن میں کیڑوں کے گچھے کے گچھے پڑے رہ گئے تھے۔ درخت ہر طرف بیجوں کی طرح کیڑے چھڑکتا ہوا جا رہا تھا۔

اسے چھکڑے پر لادا گیا تو اس کی جڑ اوپر تھی اور شاخیں زمین پر رگڑ کھا رہی تھیں۔ دروازے اور کھڑکیوں سے سر نکلے ہوئے تھے، جیسے مٹی کی دیواروں پر پھول دار میخیں ٹھونک دی گئی ہوں۔

Scanned with CamScanner

میں دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے کمرے میں بیٹھ رہا۔ ماں بید کی طرح تھرتھرا رہی تھی۔ آپ ہی آپ بڑ بڑا رہی تھی اور چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔ بڑی گلی عورت نے اسے چھاپ کر اس کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھے تھے۔ باہر سے کیڑے اور چیونٹیاں کمروں کی طرف بڑھتی چلی آ رہی تھیں۔ چیونٹیاں پہلے پہنچیں، اور دیواروں اور کھڑکیوں پر موٹی موٹی اوپر چڑھنے لگیں۔

اچانک میں نے دیکھا، صحن کے بیچ میں جہاں درخت تھا، جہاں اب اینٹیں جڑ دی گئی تھیں، جہاں پر زمین تھوڑی سی اونچی ہو گئی تھی۔ ٹھیک اسی جگہ۔ میں نے بڑے میاں کو دیکھا۔ وہ سلاخ کی طرح سیدھے کھڑے تھے اور انھوں نے دونوں ہاتھ پھیلا رکھے تھے، اور ان کے سارے بدن پر کیڑے رینگ رہے تھے۔ اور میں نے پھر وہی جھنجھناتی آواز سنی:

لپ... لپ... لپ

ooooo

درخت جا چکا تھا اور اپنی جگہ کیڑے اور چیونٹیاں چھوڑ گیا تھا۔

مجھے محسوس ہوا کہ میرا مکان گرنے ہی والا ہے۔ اس کی ایک ایک چیز بوسیدہ ہوتی جا رہی تھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ کیڑے اس کے کھمبوں کی نیچے سے اور نیو کے اندر سے کلبلاتے ہوئے اوپر آ رہے ہیں۔ دیواروں میں، چھتوں میں، کھڑکیوں میں، ہر جگہ کیڑے بجبجا رہے تھے۔ مکان گرنے والا تھا، بکھرنے والا تھا، ریزہ ریزہ ہونے والا تھا۔ وہ بڑی گلی عورت جس کے نیچے میری ماں چوزے کی طرح لرز رہی تھی اور چیخ رہی تھی، اس کو بھی کیڑے اندر ہی اندر کھائے جا رہے تھے۔ میں بھی اور میری ماں بھی، دونوں ریزہ ریزہ بکھرے جا رہے تھے۔

ہم سب کیڑوں کے مل جانے سے بنے تھے، اور اب کیڑے الگ ہو رہے تھے اور باہر لپک رہے تھے اور چیونٹیاں انھیں کھینچے لیے جا رہی تھیں اور آخر ہم بھی اسی درخت کی طرح چیونٹیوں کے گوداموں میں ذرہ ذرہ انبار ہو رہے تھے۔ ہمارا گھر، اپنی تمام یادوں سمیت، تمام لپٹوں، سسکیوں، الجھنوں، کڑوی باتوں، میٹھے بولوں کی نامحسوس جھلکیوں سمیت، اپنی سیتی مہری فضا سمیت، چلا جا رہا تھا، ہاتھ سے نکلا چلا جا رہا تھا۔

مجھے خیال ہوا میں نے بیکار ہی میں دروازے اور کھڑکیاں بند کر رکھی ہیں۔ وہ آ کر رہیں گی۔ وہ کمروں کے اندر ہی موجود ہیں۔ وہ ہماری رگ رگ میں اتر چکی ہیں۔ وہ ہم کو آہستہ آہستہ، ذرہ ذرہ کھا رہے ہیں۔ وہ ہم کو اندر ہی اندر گلا رہے ہیں۔

میں اٹھا۔ میں نے کرسی اٹھائی اور پوری طاقت سے کھڑکی پر دے ماری، اور خود کو کمرے کے باہر لپکا دیا۔

فارسی سے ترجمہ: نیّر مسعود

بابا مقدّم

بارش اور آنسو

سرما کی شام تھی۔ بندرگاہ پہلوی کے کہرآلود اور اداس ساحل پر میں اور محمود چہل قدمی کر رہے تھے۔ ساحل پر بس میں تھا اور وہ، اور موجوں کا شور، اور پرندوں کی آواز جو دور سمندر کی سطح پر جلبلے پر مارتے چلے جا رہے تھے۔ آگے بڑھ کر سمندر تاریک ہو گیا تھا اور کالے بادل اس پر اس طرح جھک آئے تھے کہ خیال ہوتا تھا کہ وہاں آسمان اور سمندر مل کر ایک ہو گئے ہیں۔

اس نواح کی سردیوں میں ساحل کی فضا رنجیدہ، رنجیدہ اور غم آلود سی ہو جاتی ہے۔ دور دور تک پھیلے ہوئے بانس کے بنگلے اور لکڑی کے رنگ برنگے کیبن مکینوں سے خالی ہو کر خوابیدہ ہیولوں کی طرح پڑے نظر آتے ہیں، اور گلے ہوئے تھیلے، خالی ڈبے، گذشتہ گرمیوں میں سمندر پر آنے والوں کے عارضی قیام کی بیرنگ نشانیاں، اور بوتلیں جنھیں موجیں ساحل پر پھینک دیتی ہیں، اور گھونگھے اور سیپیاں ریت پر بکھری ہوتی ہیں۔ وہاں پر آدمی کو محسوس ہوتا ہے کہ فراموشی اور خاموشی کی ان گھڑیوں میں وہ خود بھی حل ہوا جا رہا ہے۔ ایک اندوہ ناک سکون اس کے وجود میں سرایت کرنے لگتا ہے اور مایوسی اور وابستگی کی ایک کیفیت نیم گرم بھپارے کی طرح اس کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

ایک بہت بڑی موج سفید چادر کی طرح ہمارے پیروں کے آگے بچھ گئی۔ کچھ دیر تک زمین پر سفید سفید جھاگ لگا رہا، پھر وہیں کا وہیں جذب ہوگیا۔ ہمارے پیروں تلے بالو دب دب کر سخت ہوتی گئی اور اس میں سمندر کا پانی اکٹھا ہونے لگا۔ ہمارے پیر اسے دھنسا کر اس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی اوپر کھینچ لیتے تھے۔ ہم پلٹے۔ مڑ کر دیکھا تو موجوں نے ہمارے قدموں سے پڑنے والے نشانوں کو بھر دیا تھا، گویا ہم وہاں تھے ہی نہیں۔ گویا کبھی کسی نے وہاں قدم ہی نہیں رکھا تھا۔ محمود نے یہ دیکھا تو کہنے لگا،

Rekhta
Scanned with CamScanner

"عجیب دنیا ہے۔ چند سال پہلے تک میں اسی شہر میں توپ خانے کا افسر تھا۔ جنگ چھڑی تو سب کچھ الٹ پلٹ ہو گیا۔ میں روسی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہو کر اسی شہر میں سلاخوں کے پیچھے پہنچ گیا۔ روسیوں نے توپوں پر قبضہ کر لیا اور افسروں کو جیل میں ڈال دیا۔ سپاہی بھی ادھر ادھر ہو گئے۔ بس گھوڑے باقی رہ گئے۔ میرا گھوڑا ابلق تھا۔ بڑا خوش رنگ۔ جوان اور چلبلا۔ خوب گردن باندھ کر چلتا تھا۔ اس کی آنکھوں کی رنگت بھی انوکھی تھی۔ نیلی نیلی سی معلوم ہوتی تھیں۔ بارکوں میں اس کا نام کاسی پڑ گیا تھا۔ کاسی میری سواری کا گھوڑا تھا۔ جوانی اور مستی کی حد تھی۔ کاسی پہ سوار ہوتا تو مزہ آ جاتا۔ افسر کا گھوڑا تھا، اس لیے اس کی خیال داری اور مالش بھی دوسرے گھوڑوں سے زیادہ ہوتی تھی اور وہ ہمیشہ چاق رہتا تھا۔ میں جیسے ہی اس پر سوار ہوتا، وہ ٹانگیں کھول کر چمکتا اور گردن اٹھا کر اگلی ٹاپوں پر ٹکتی چلنے لگتا تھا۔ راستے کی پتھریلی زمین پر اس کے نعل پڑنے کی آواز سے فضا گونجنے لگتی تھی، اور دائیں بائیں لوگ کاسی کی مستانہ چال دیکھنے کے لیے چلتے چلتے رک جاتے تھے۔ میں اس پر سینہ تانے بیٹھا ہوتا اور خود بھی گردن اکڑا لیتا اور ترنگ میں آ کر جھومنے لگتا۔

میں اور کاسی شہر بھر میں مشہور تھے۔ کاسی مجھ سے اتنا ہلا ہوا تھا کہ اگر میں دور سے اس کو پکارتا تو وہ فوراً گردن گھماتا اور جواب میں ہنہنا کر مجھے دیکھنے لگتا۔ جب میں جیل میں بند ہوا تو سب سے زیادہ فکر مجھے کاسی ہی کی تھی۔ کہ معلوم نہیں اس کی دانے گھاس کی خبرگیری اور مالش دلائی ہو رہی ہے یا نہیں، اور یہ کہ اس کا کیا حشر کیا جائے گا۔ اور بھی ہزار فکریں تھیں۔ خود میرا کیا ہو گا؟ ہمیں یہیں قید رکھا جائے گا یا سائبیریا یا کسی اور علاقے میں پھینکا جائے گا؟ جنگی قیدیوں کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں سننے میں آ رہی تھیں۔ جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔ مجھ کو کہا گیا کہ میں نے تو لڑائی میں توپیں استعمال کی تھیں اور اپنا سارا گولا بارود دشمنوں پر جھونک دیا تھا، اس لیے میرا انجام بہت برا ہونا ہے۔ لیکن کسی کو ٹھیک ٹھیک کچھ بھی پتا نہیں تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ ہمارا معاملہ کس کروٹ بیٹھے گا۔ جیل میں ہمارے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا۔ میں ایک کونے میں جا بیٹھتا اور سوچا کرتا۔ دل چاہتا تھا آزاد ہو جاؤں اور جا کر کاسی کو دیکھوں، اس کی گردن تھپتھپاؤں، اس کی تھوتھنی پر ہتھیلی رکھ کر اس کی سانس کی گرمی محسوس کروں۔ یہ سارے خیال جی ہی دل میں رہتے، مگر رہتے!

راتیں وحشت ناک ہوتی تھیں۔ قیدیوں کے سونے کی اپنی اپنی ادائیں تھیں۔ کچھ تھے جو زور زور سے خراٹے لیتے تھے۔ بعض بیہودہ آواز سے بولنے لگتے، حکم احکام دیتے اور کبھی رونا شروع کر دیتے۔ ان کی فریادیں اور بولیاں سن کر طبیعت میں عجب مایوسی اور افسردگی پیدا ہو جاتی۔ وہاں آدمی دیکھتا کہ لوگ کیا کیا ارمان لے کر سوتے ہیں اور خوابوں کی دنیا میں پہنچ کر کابوسوں سے دوچار ہو جاتے ہیں، چلاتے ہیں، گالیاں بکتے ہیں، گھگھیاتے ہیں۔ پھر کسی بات کا اعتراف کر جاتے ہیں، کبھی کسی تمنا کا اظہار، اور کبھی بہکنے لگتے ہیں۔ میرے خوابوں کی دنیا کے زیادہ حصے پر کاسی کا عمل تھا۔ مجھے اس کی نیلگوں آنکھیں نظر آتیں کہ اندھیرے میں چمکتی ہوئی میری طرف ٹکٹکی باندھے ہیں۔ ان نگاہوں میں التجا ہوتی

اور ملامت بھی ہوتی۔

ایک دن جیل میں خبر پھیل گئی کہ کل روس والے توپیں اور گھوڑے جہازوں میں بھر کر لیے جا رہے ہیں۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ کاسی کا کیا ہوا؟ اسے بھی لیے جا رہے ہیں؟ اگر یہی ہوا؟ میں اکیلا رہ جاؤں گا۔ یہ آس بھی ٹوٹ جائے گی کہ کبھی کاسی کو پھر دیکھ سکوں گا۔ وہ میرا دوست تھا۔ ہم دونوں ہی جنگ کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔ اور اب اس کو لیے جا رہے تھے۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو کاش میں بھی اس کے ساتھ چلا جاتا۔ میں نے اپنے ساتھی قیدیوں کے سامنے توپوں اور گھوڑوں کا ذکر چھیڑا، اور کاسی کے بارے میں ان کا خیال دریافت کیا۔ سب قیاس آرائیاں کرنے لگے۔ آخر ایک قیدی نے کہا کہ کاسی سواری کا گھوڑا ہے، توپ گاڑی کھینچنے کے کام کا نہیں۔ پھر لڑائی کا زمانہ ہے، رسد کی بہت ہی کمی ہے، اس لیے یقینی بات ہے کہ کاسی کو کاٹ کر اس کا گوشت کھا لیا جائے گا۔

تو کاسی کو ذبح کر ڈالا جائے گا، اور اس کا گوشت فوجیوں کو کھلا دیا جائے گا۔ پھر وہ فوجی بھی محاذوں پر مارے جائیں گے۔ بیچارہ!

اسیر ہونا اور جیل میں پڑنا بری چیز ہے۔ قید میں آدمی کا مزاج عجیب سا ہو جاتا ہے۔ خود پر اس کا بس نہیں ہوتا اور وہ ایک راکھ سی ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہر دن، ہر ساعت اس کے دماغ میں ہزار خیالوں کے بلبلے ابھرتے ہیں اور ایک ایک کر کے پھوٹ جاتے ہیں۔ رات آتی ہے تو خوابوں کی کھوئی دنیا کے آسیب اس پر یلغار کرتے ہیں۔ دوسرے دن پھر وہی فکریں، وہی خیال، وہی ہراس، وہی ناامیدی، وہی جیل کے بدذائقہ پتلے شوربے کے ساتھ سخت پتھر روٹیاں نگلنا اور سوچتے رہنا۔

جب یہ خبر اڑی کہ کل گھوڑوں کو لے جائیں گے، مجھے سارے دن کاسی ہی کا خیال آیا رہا۔ رات کو بھی بڑی بےچینی لیے سویا۔ دوسری صبح ہم سب قیدی وقت سے پہلے جاگ اٹھے تاکہ جیل کی کھڑکیوں سے توپوں اور گھوڑوں کے جانے کا تماشا دیکھیں۔ یہ تماشا دیکھنا بھی ایک تماشا ہی تھا۔ آدمی سلاخوں کے پیچھے کھڑا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس کا مال لوٹے لیے جاتے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتا۔

ہم کھڑکیوں کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ وہاں سے بارکوں کا احاطہ اور اصطبل دکھائی دے رہے تھے۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ بارش کی ہلکی دھند میں دور سے گھوڑوں کے سر نظر آئے۔ ایک ایک روسی سپاہی، دو دو کوتل گھوڑوں کو دہانوں سے پکڑے کھینچتا لا رہا تھا۔ گھوڑوں کو دیکھ کر مجھ پر عجب ناامیدی سی چھا گئی، دل دھڑدھڑ کرنے لگا۔ ٹانگوں میں دم نہ رہا۔ منہ خشک ہو گیا۔ پھر بھی میں نے گردن آگے بڑھا دی کہ ان گھوڑوں میں کاسی کو تلاش کروں۔ ہماری فوج کے سب گھوڑے گہرے رنگوں کے سرنگ اور کمیت تھے۔ صرف کاسی کے رنگ میں سفیدی اور اجلاپن تھا۔ وہ ابلق گھوڑا تھا۔ اس کے بدن بھر پر چھوٹی چھوٹی بھوری اور کتھئی چتیاں تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سفید رنگ پر ان دو رنگوں کا چھینٹا دیا گیا ہے۔

دور ہی سے میں نے اس کا چتکبرا رنگ دیکھا۔ میری سانس گھٹنے لگی۔ وہی تھا۔ اس کے نتھنوں کا تھرکنا اور گردن کا کھنچاؤ رخصت ہو چکا تھا۔ سر لٹکا ہوا اور کنوتیاں گری ہوئی

Scanned with CamScanner

تھی۔ گلی چھل بل اور طراروں کا کہیں پتہ نہ تھا۔ میلا چکٹ ہو رہا تھا۔ ٹانگوں پر کیچڑ اور لید کی تھکی جم گئی تھی۔ بغلوں سے نہ ملائی دلائی ہوتی تھی، نہ کھریرا پھیرا گیا تھا۔

وہ جیل کے سامنے پہنچا تو میری زبان کو قفل لگ گیا۔ چاہتا تھا پکاروں، کاسی کو بلاؤں، چوکی داروں سے کہوں کہ اسے ذرا میری جانب گھما دیں۔ میں نے کسی طرح خود کو سنبھالا اور سوکھے گلے سے خو تھوں بار صرف ایک لفظ نکال پایا۔

"کاسی! کاسی! کاسی!"

ابلق گھوڑے میں جان سی پڑ گئی۔ جیسے کرو اس کی گردن تن گئی۔ اس نے سر گھمایا، اور جوں ہی میں نے اسے پکارا تھا اس طرف دیکھنے لگا اور زور سے ہنہنایا۔ نہیں معلوم قیدیوں کی جھرمٹ میں کھڑکی کے پیچھے میں اس کو دکھائی دیا کہ نہیں، مگر چند لمحوں کے لیے اس کے پیروں میں وہی رقص کی سی چلت پھرت نظر آئی۔ پھر سپاہی نے اس کی دہانے کی آہنی ڈنڈی کو اس کے منہ کے اندر زور سے کھینچا اور تکلیف کی شدت سے اس کی حالت پھر اسی طرح روند ہو گئی۔

کاسی کو لے گئے۔ دوسرے گھوڑوں کے ساتھ اسے بھی جہاز پر چڑھا دیا گیا اور ہم دور سے دیکھتے رہے کہ وہ دور ہوتے جا رہے ہیں۔

OOOOO

ہم دونوں سنسان پشتے پر چل رہے تھے۔ سمندر کی جانب سے تیز ہوا کے جھونکے آ رہے تھے اور موجیں پشتے سے ٹکرا ٹکرا کر پانی اڑا رہی تھیں۔ ہلکی ہلکی پھوار بھی پڑ رہی تھی۔ میں نے محمود کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں کے نیچے اور رخساروں پر تری تھی۔ میں نے پوچھا۔

"کیا رو رہے ہو؟"

وہ بولا۔

"نہیں۔ ہمارے عمروں کے آدمی روتے نہیں۔ آنسو ہی نہیں نکلتے۔ بارش ہوتی ہے۔"

OOOOO

اندھیرا پھیل رہا تھا۔ سمندر کالا ہوتا جا رہا تھا۔ ہم واپس آنے لگے اور راستے میں اس کو میں نے یہ قصہ سنایا۔

"میں فوج میں نیا نیا افسر ہوا تھا۔ روز صبح صبح اپنے گھر کی گلی کے آگے سڑک پر جا کھڑا ہوتا۔ میری رجمنٹ کی بس آتی اور میں اس پر سوار ہو کر کیمپ چلا جاتا تھا۔ ایک دن میں ذرا جلدی سڑک پر آ گیا۔ کچھ بس نے بھی دیر لگائی۔ میرا ایک دوست ادھر آ نکلا اور ہم وہیں کھڑے کھڑے باتیں کرنے لگے۔ وہ بھی فوج میں افسر تھا۔ باتوں باتوں میں اس نے بتایا کہ اس کے پاس ایک خوبصورت بادامی سمند گھوڑا ہے، جسے وہ بیچنا چاہتا ہے۔ میں اس دوست سے بہ خوبی واقف تھا اور جانتا تھا کہ وہ معاملے کا کھرا آدمی ہے، اور سمند گھوڑے مجھ کو پسند بھی تھے، لہٰذا میں نے جانور کو دیکھے بغیر خرید لیا اور سودا وہیں کا وہیں پکا ہو گیا۔ دوست یہ کہہ کر رخصت ہو گیا کہ اسی دن گھوڑے کو میری رجمنٹ میں پہنچوا دے گا۔

ہماری رجمنٹ کا پڑاؤ شہر سے فاصلے پر تھا اور دوپہر کو ہم وہیں رہ جاتے تھے۔ اس دن میں کھانا کھا کر اٹھا ہی تھا کہ ایک سپاہی خبر لایا کہ گھوڑا آ گیا ہے۔ ہماری کیمپ کے بیچ میں ایک لمبی سڑک تھی، جس کے دونوں طرف چنار اور سفیدار کے درختوں کی قطاریں تھیں۔ اب میں سفیدار چناروں سے اونچے نکل گئے تھے۔ میں دفتر سے باہر آ کر سڑک پر کھڑا ہو گیا۔ دیکھا ایک سپاہی شوخ رنگ کے ایک گھوڑے پر بیٹھا ہوا آ رہا ہے۔ بڑے قدکاٹھ اور بلند گردن کا گھوڑا تھا۔ جسامت ایسی کہ زین پر بیٹھا ہوا سپاہی چھوٹا سا معلوم ہو رہا تھا۔ قریب آیا تو میں نے دیکھا عجیب خوش اندام اور خوش رنگ گھوڑا ہے۔ اس کے رونگٹے سنہری مائل تھے اور جھلمل جھلمل کر رہے تھے۔ چھوٹا سر، نرم چمکیلی آنکھ، مضبوط جوڑ بند اور بھاری سُم، اونچی گردن، تنا ہوا سینہ۔ چالیں رکنے میں سر کو باندھے ہوئے۔ اس چھب کا گھوڑا آج تک میری نظر سے نہیں گذرا تھا۔ سمند گھوڑا کم ہی ہوتا ہے، خصوصاً پکسان اور شوخ بادامی رنگ کا سمند۔ میں بے اختیار ہو کر اس کی سرین اور کنوتیاں سہلانے لگا۔ وہ مزے میں کھڑا رہا جیسے برسوں کا مجھ سے ہلا ہوا ہو۔ سپاہی اس پر سے اتر پڑا اور میں وہیں آزمائش کے لیے اس کی رکاب میں پیر ڈال کر زین پر بیٹھ گیا۔ گھوڑا آگے بڑھا تو میں نے اسے پویا چلایا، پھر دلکی، اس کے بعد کیمپ کی سڑک پر دور تک بڑے اطمینان کے ساتھ سرپٹ دوڑایا۔ اس کی سواری ایسی ہموار اور آرام دہ تھی کہ معلوم ہوتا تھا نرم گدے پر بیٹھا ہوں اور فضا میں تیر رہا ہوں۔

ہم نے اس کو اصطبل میں پہنچا دیا، اور وہاں سپاہی کو لوٹانے کے لیے اس کا زین اتارا گیا تو ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ خوب صورت گھوڑا زین پشت ہے۔ زین پشت اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی کمر میں نیچے کی طرف خم ہوتا ہے۔ یہ گھوڑے کا عیب سمجھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں اس خم کے زیادہ ہونے سے گھوڑے کا دم کم ہو جاتا ہے۔ اس گھوڑے کی کمر میں زیادہ خم تھا۔ اس کی پیٹھ کا وہ حصہ جہاں زین رکھتے ہیں، کمان کی طرح جھکا ہوا تھا۔ لمحہ بھر کو مجھے خیال آیا کہ اسے پھیر دوں۔ لیکن میرا جی نہ مانا۔ بہت خوب صورت گھوڑا تھا۔ اس کی اصالت، اس کے تیور اور اس کی چال سے کیوں کر آنکھیں پھیر لیتا۔ گھوڑے کو اصطبل میں بندھوا دیا گیا اور دوسرے ہی دن سے وہ میری سواری میں رہنے لگا۔ دوسرے اور اس ابلق گھوڑے کی طرح، مجھ میں اور اس سمند میں بھی عجیب چاہت اور لگاؤ پیدا ہو گیا۔ میرا بلند قامت زین پشت سمند، جو گردن اٹھا کر چلتا اور بے بے کر زمین پر پاؤں رکھتا۔ بہت جلدی مشہور معروف ہو گیا۔ سرپٹ چال میں وہ سرسر کی طرح فضا کو چیرتا نکل جاتا تھا۔ اور چونکہ اس کی کمر میں خم تھا اس لیے اس پر بیٹھنے میں بڑی راحت ملتی تھی۔

ایک ہی دو سال گذرے تھے کہ توپ گاڑیاں پٹرول سے چلنے لگیں۔ پرانی چال کی گاڑیاں کارخانوں میں ڈھیر ہوتی گئیں اور انہیں کھینچنے والے گھوڑے گلوں میں بھیجے جانے لگے۔ فوج سے اصطبل اور گھوڑوں کا صیغہ ہی ختم ہو گیا تو میں بھی مجبور ہوا کہ اپنے سمند کو وہاں سے ہٹا لے جاؤں۔ اور چونکہ میرے پاس اسے رکھنے کا ٹھکانا نہیں تھا، اس لیے اس کو بیچنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ دو تین ہفتے اسی ادھیڑبن میں نکل گئے۔ میرا دل اس کو الگ کرنے پر کسی طرح نہیں اٹھتا تھا۔ مگر بالآخر، جب سارے اصطبل گھوڑوں سے خالی ہو گئے، اور توپ

Scanned with CamScanner

کہ میں ... کہ کسی ... اور خود بھی میں سارا دن سنسان میں ہو گیا۔ سب سمجھیں یہ گھوڑے نہ مہر کرتا ہی پڑا۔ مبرک و محبت کا ایک خلش۔ میں چھٹی میں آ گیا تھا۔ ایک خریدار کو ڈھونڈ کر ... اس نے گھوڑے کو دیکھا بھالا، پسند کر لیا اور پیسے بھی مجھے دیے۔ میں نے اس سے صرف اتنا کہا کہ اس لاڈلی گھوڑی کو تکلیف نہ دے، اور اگر اسے بیچے تو کسی ایسے آدمی کے ہاتھ بیچے جو اس کو قتل یا چھکڑے میں نہ جوتے۔

کئی مہینے گزر گئے۔ مجھے یہ رہی پشت سمند کی یاد آتی رہتی تھی اور، جیسا کہ تم نے بتایا، میرا بھی دل چاہتا ہے کہ کسی صورت سے دیکھوں، تھپتھپاؤں اور اس بیزبان کے منہ کے آگے اپنا ہاتھ کروں اور اس کی گرم گرم سانسوں کو محسوس کروں۔

ایک دن خیابان شمیران کی چڑھائی پر مجھے کو ایک اوسط لاغر، زین پشت گھوڑا دکھائی دیا۔ سکوں بھری بجھی۔ نڈھال بدن پسینے میں تربتر، مگر اس ان کے سامنے، جو مجھے اپنے سمند میں نظر آتی تھی۔ بوجھ سے لدی ہوئی ایک کھڑکھڑے میں جتا اسے کھینچ رہا تھا۔ کوچوان مجھے اندر کو اس پر چابک برسا رہا تھا اور کھڑکھڑے کو دھکا لگا کر تیزی سے چڑھائی چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہی تھا۔ اس کا سنہرا بدن میل کچیل اور پسینے کے لیپ سے چکٹ کر کالا ہو رہا تھا۔ میرا جی چاہا کہ اس کو قریب سے جا کر دیکھوں، اسے پکاروں اور اس کا بدن سہلاؤں، لیکن مجھے اس سے شرم سی آ رہی تھی۔ وہ ایسے حال میں نہ تھا کہ میں اس کے سامنے جا سکتا۔ اس کی رگیں ابھر آئی تھیں اور آنکھیں باہر۔ پھٹی پڑ رہی۔ وہ بوجھ اور چابک کی مار سے ہانپتی سی ہو گئی تھی۔ میں نے سوچا کوچوان سے بات کر کے گھوڑے کی کچھ سفارش کروں، لیکن اس سے کیا ہوتا۔ وہ شکستہ حال تھا۔ وہ پہچان گیا، زین پشت سمند، جو اب میرا نہیں تھا۔ ایسے ... بیکار کر رہا تھا۔ میں خود سمجھ سکتا تھا کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچتا ہو گا۔

٭٭٭

چائے ختم ہو چکی تھی اور تاریکی پھیل گئی تھی۔ میں اور مسعود اپنے کمرے پر پہنچ گئے تھے۔ جب کی روشنی میں مسعود نے مجھے دیکھا اور بولا
"تمہارا چہرہ بھیگا ہوا ہے، روئے ہو؟"
"اس عمر کو پہنچ کر آدمی روتا نہیں،" میں نے کہا۔ "پانی برس رہا ہے۔"

فارسی سے ترجمہ: نیر مسعود

جمال میر صادقی

ہوا کی ہوک

وہ بڈھا کبڑا ہوا تھا اور دُہری سڑک کے اس پار گھورے جا رہا تھا۔ اس چوڑی سڑک کی درمیانی نہر کے کنارے ایک جوان عورت اور ایک لنگڑا سا مرد کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ سڑک خالی تھی، البتہ کبھی کبھی کوئی موٹرکار آ کر تیزی سے نکل جاتی تھی۔ اندھیرا ہو چلا تھا۔ چنار کے درختوں کو جھنجھوڑتی، شور مچاتی ہوا سڑک کی خاک اڑا کر فضا میں پھیلا رہی تھی۔

بڈھے کے رعشہ دار ہاتھ میں ہلتی ہوئی لاٹھی ڈامر کے فٹ پاتھ پر کھٹ کھٹ کر رہی تھی۔ اس کے ہونٹ ہل رہے تھے اور منہ سے مبہم سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اس کی نگاہیں سڑک کی دوسری سمت سے ہٹائے نہیں ہٹ رہی تھیں۔ لنگڑا آدمی مسجد تہرانی مختصر سی عورت کے سامنے جھکا ہوا ہاتھ ہلا ہلا کر کچھ کہہ رہا تھا۔ عورت کے لمبے سیاہ بال ہوا سے اڑ رہے تھے اور اس کے بھیگتے چہرے پر سڑک کی دھول جم رہی تھی۔

ان دونوں سے کچھ فاصلے پر سڑک کے کنارے سرخ رنگ کی ایک کار کھڑی تھی۔ اسٹیرنگ کے پیچھے ایک آدمی بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا اور ان پر نظریں گاڑے ہوئے تھا۔

بڈھا لاٹھی ٹیکتا ہوا نہر کی سمت بڑھا۔ نہر مٹ میلے پانی سے لبالب بھری ہوئی تھی اور غراتی ہوئی سڑک کی ڈھال کے رخ بہ رہی تھی۔ بڈھا ادھر سے ہٹ کر سڑک کے پل کے پاس پہنچا، تیزی کے ساتھ پل کو پار کر کے دوسری طرف اترا۔ وہ اس موڑ سے نہر کی سڑک کو پار کرنا چاہتا تھا کہ ہارن کی طویل چیخ نے اس کے قدم روک دیے۔ ایک کار اس کے قریب سے مڑ کر تیزی سے نکل گئی۔

لاٹھی ٹیکتے ہوئے بڈھے نے سڑک کی چوڑائی پار کی۔ وہ جلدی سے خود کو نہر کے کنارے پر پہنچا رہا تھا۔ لنگڑے آدمی نے عورت کی بانہہ پکڑ لی تھی اور اس کو سرخ کار کی

Scanned with CamScanner

طرف بہے جا رہا تھا۔

بڈھا پیچھے سے اس کے سر پر آ پہنچا۔ اس نے لاٹھی اٹھا کر ایک جما ہوا ہاتھ مارا۔ لاٹھی لنگڑے آدمی کے سر کو چھوتی ہوئی اس کے شانے پر پڑی۔ وہ اچھل کر پلٹا اور عورت سے پیچھے ہٹ گیا۔ بڈھے کی لاٹھی پھر اٹھی، لیکن اس کا نشانہ چوک گیا۔ لنگڑے آدمی کی عورت کی آواز بلند ہوئی۔

اس نے بڈھے کی لاٹھی کو، جو پھر بلند ہو گئی تھی، بیچ ہی میں پکڑ لیا۔ بڈھے کی مکارہ آنکھوں کو دیکھا۔ لپک کر عورت کو پیچھے کھینچا اور بولا:

"کھڑی رہو، پاگل ہے۔"

اس نے بڈھے کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے کی طرف مروڑ دیا۔ بڈھا تکلیف سے کراہنے لگا۔ عورت اس کی طرف لپکی اور چیخی:

"چھوڑو، چھوڑو۔"

مرد پلٹا اور بھونچکا سا ہو کر عورت کو دیکھنے لگا، پھر بولا:

"میں کیا کر رہا ہوں؟ یہ حرافتی خود ہی جھڑ رہا ہے۔"

اس نے بڈھے کو چھوڑ دیا۔ لاٹھی زمین پر گر گئی۔ بڈھا گالیاں بکتا ہوا پھر اس پر جھپٹا۔ آدمی نے تاؤ کھا کر اس کے منہ پر ایک ہاتھ رسید کیا اور لاٹھی مار مار کر اسے پیچھے کھدیڑنے لگا۔ بڈھا الٹے پاؤں ہٹتا گیا۔ یہاں تک کہ اس کے پیر مینڈھ کی ٹھوکر سے لڑکھڑائے اور وہ چاروں شانے چت پانی میں جا پڑا۔

اسٹیرنگ کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی نے کھڑکی سے سر باہر نکالا اور پکار کر پوچھا:

"کیا بات ہے، ہمدرد؟ یہ بڈھا کہاں سے آ مرا؟"

لنگڑا آدمی برا سا منہ بناتے ہوئے مڑا اور بولا:

"کم بخت مجھے نہیں پتہ، کم بخت نے میرا ہاتھ —"

وہ اپنا بازو سہلانے لگا۔ اسٹیرنگ والے نے پھر پکار کر پوچھا:

"پاگل واگل ہے کیا؟"

عورت بڈھے کی طرف دوڑی جو مینڈھ میں پڑا ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ بڈھے کے چہرے پر خون تھا اور اس کے زرد منہ سے پانی کی دھاریں گر رہی تھیں۔

ہوا درختوں کو کبھی جھکاتی، کبھی سیدھا کرتی۔ اس پانی کے [illegible]

فٹ پاتھ پر چلتا ہوا ایک راہگیر ٹھٹک کر رک گیا اور پوچھنے لگا:

[illegible]

لنگڑے آدمی کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ وہ دھمکانے کے انداز میں راہگیر کی طرف ہاتھ لہرا کر بولا:

"جاؤ جاؤ، اپنا کام کرو جی!"

اسٹیرنگ والے نے پھر پکار کر کہا:

"اسے چھوڑو بابا! چلو، کہاں اٹک گئے؟"

بڈھا اب مینڈھ کے کنارے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سفید بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ پورا بدن کیچڑ میں لت پت ہو گیا تھا اور نتھنوں سے خون نکل رہا تھا۔ عورت اس کے پہلو میں زمین پر بیٹھ گئی تھی اور رومال سے اس کے چہرے کا خون پونچھ رہی تھی۔ اس کا اپنا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

لنگڑے آدمی نے جھک کر عورت کا بازو پکڑا اور اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ عورت نے غضب ناک ہو کر خود کو چھڑا لیا اور چیخی:

"چھوڑ مجھ کو، قرمساق!"

آدمی اس کا بازو چھوڑ کر الگ ہٹ گیا۔ اس نے سہمے ہوئے انداز میں اسٹیرنگ والے کی طرف مڑ کر دیکھا اور بے بسی کے ساتھ شانے اچکائے۔ اس کے چہرے اور بدن کی ایک ایک جنبش سے ظاہر تھا کہ وہ بری طرح سٹپٹایا ہوا ہے۔

اچانک بڈھا اچھل کر کھڑا ہو گیا اور عورت پر گھونسے اور لاتیں چلانے لگا۔ عورت نے گردن جھکا رکھی تھی اور خود کو بڈھے کے حملوں کے حوالے کر دیا تھا۔

پیڑ کے اس طرف والے فٹ پاتھ پر دو آدمی اور ایک بچہ چپ چاپ کھڑے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ بڈھا عورت پر پل پڑا تھا اور دونوں مٹھیوں میں اس کے بال جکڑے ہوئے پے در پے گھونسوں اور ایڑیوں سے اس کو کچل ڈال رہا تھا۔ عورت اسی طرح گھٹنوں میں سر دیے زمین پکڑے بیٹھی تھی اور ذرا بھی مدافعت نہیں کر رہی تھی۔ ہوا اسی طرح سڑک پر ہوک رہی تھی اور درختوں کے شور سے اسی طرح ہنگامہ برپا تھا۔

اسٹیرنگ والا کار کو بڑھا کر قریب لایا اور اس پر سے کود کر نیچے اترا۔ اس نے طیش میں آ کر بڈھے کو پیچھے دھکیل دیا اور عورت کو گھسیٹ کر اس کے پنجے سے چھڑایا۔ وہ بیہوش سی ہو کر سڑک پر ڈھیر ہو گئی۔

لنگڑا آدمی آگے بڑھا۔ دونوں نے مل کر عورت کو زمین پر سے اٹھایا اور گاڑی کی طرف لے چلے۔

بڈھا ان کے پیچھے لپکا۔ آدمی نے پلٹ کر اسے ایک اور دھکا دیا۔ بڈھا الٹ کر سڑک پر گر گیا۔ لنگڑے آدمی نے عورت کو گود میں اٹھا کر گاڑی کی پچھلی نشست پر ڈال دیا اور خود بھی وہیں بیٹھ گیا۔

بڈھا بڑبڑاتا اور شور مچاتا ہوا گاڑی کے پیچھے دوڑا، لیکن گاڑی روانہ ہو چکی تھی۔ اسٹیرنگ والے نے گاڑی کے عقبی آئینے میں اس کو دیکھا اور بولا:

"باندھ کر رکھنے والا ہے، پاگل!"

اس نے گاڑی کی رفتار بڑھائی، پھر بولا:

Scanned with CamScanner

"بہ نہ پہنچ گئی ہوتی تو مجھے گھر میں ڈالا تھا۔"
اس کی پشت پر عورت کی سسکیوں کی آواز بلند ہو رہی تھی۔

فارسی سے ترجمہ: نیر مسعود

ثروت حسین

خوب رو چلتے اگر

خوب رو چلتے اگر تم
دور تک پھیلی زمیں پر
سرخوشی کے بیج بوتے
دیر تک پھولوں میں سوتے
خوب رو چلتے اگر تم
شہر کی بنیاد رکھتے
مرگ ہم کو یاد رکھتے
خوب رو چلتے اگر تم

بنفشی دُھند

میں ابھی اوراق گن رہا تھا
کہ آن پہنچی بہار سارے
بنفشی دھند سے کسی نے
مجھے پکارا

Scanned with CamScanner

بندرگاہ میں صبح

جہازوں کے عرشے پہ لاکھوں فرشتے
ہلاتے ہوں رنگین رومال جیسے
مجھے مل گئے ہیں پر و بال جیسے

حمد

پرستش کے پودے کو سینچا ہے میں نے
لہو سے، لہو سے کدورت ہوئی اب جو
سبھی حرف ابھارک سے روشن ہوئے
ہر گلابی شگوفہ پرستش کی خوشبو
کو پاتا ہے میں نے محبت کی
اجلے افق پر پرندے، پرستش کے
پودے کی طرف ایسے مڑتے ہیں
جیسے فرشتے ...

شاعری کا پرندہ

سخن کی اک گوشۂ تنہائی میں میری طرح
ہے و خاک و باد کی یک جائی میں میری طرح
بھٹکتا ہے غائب پہنائی میں میری طرح

ابھی تو میسّر مجھے بال و پر ہیں

ابھی تو میسر مجھے بال و پر ہیں
کہاں جا بجا باد و باراں کے ڈر ہیں
پروں کی سکت آزمانی ہے مجھ کو
محبت کی اک رہبری کے علاوہ

میں اندازہ کچھ بھی نہیں کر سکا ہوں
تمھیں سوچنے کے لیے اے پرندے
لہو کی روانی کا لطف ہے باقی
ابھی عمر کا ایک حصہ ہے باقی

دوپہر کی سلطنت میں

دوپہر کی سلطنت میں
فاختہ کچھ بولتی ہے
ریت کی رسّی پر گھومتی ہے
نیند سے باہر نکل کر
میں نے اس کے ہونٹ چکھے
اُس پہ پھول رکھے
دوپہر کی سلطنت میں

مٹی

مددگار مٹی، مددگار مٹی کے سینے پہ بادل، ہری کھیتیوں کے سمندر، جزیرے، جہاں تک نظر جائے اودے افق پر، پرندے، شرابور لوگ، مسافات کو جاتی پگڈنڈیوں کے سہارے، کناروں کنارے لڑکپن کے پھول اور معصوم بچے، ہر موش کاری کے گہرے کنویں کی منڈیریں، منڈیروں پہ دہرے سے مجھے کیا، مجھے دور جانا ہے، اس ہل کاری کی پیہم شکستہ ہیں لیکن ارادے مددگار مٹی سے رس کھینچتے ہیں۔

نیند سے باہر

جاگ اٹھتا ہوں کسی آواز پر تکیے کے نیچے
پھول کچھ رکھے ہوئے ہیں نیند سے باہر نکل کر
دھوپ نے دروازہ کھولا چل پڑا کی لنگی
سب آنسو بہتے ہوئے گرے تھے دھوپ کے ہیرا کے

Scanned with CamScanner

سے عرصہ لگتا اور اسے کھینچ لایا ایسے
گارے سے بنی ہوئی عمارت، کھڑکیوں سے
گر رہے ہیں کاغذی رومال جیسے یا ترشے
سرخی سی ہے ایسے پاؤں تھرے سانس
روکے جھکیں ہیں آدمی کو رقص کرے

منہ زور گھوڑے

منہ زور گھوڑے
ہوا کے منہ زور گھوڑے
ہوا، صداؤں کے منہ زور گھوڑے
ہوا، صداؤں، گھٹاؤں کے منہ زور گھوڑے
ہوا، صداؤں، گھٹاؤں، دشتوں کے منہ زور گھوڑے
ہوا، صداؤں، گھٹاؤں، دشتوں، خلاؤں کے منہ زور گھوڑے

ایک دن میں نے پھولوں سے پوچھا

یونہی ایک دن میں نے پھولوں سے پوچھا
کہ اب تک کہاں تھے
سبھوں نے بتایا کہ مٹی کی تاریک
سینے میں سوئے ہوئے تھے
کبھی کالی سیپوں میں کھوئے ہوئے تھے
زمیں پر چھپے ہوئے بیج میں اسکے گھر
رستے ہم سے جو ہی
کہ جادو
ہمیں سے اڑا ہو جادو
سارے موسموں میں گاؤ
سو ہم کھل گئے ہیں
ہمارے وہ سپنے جو مٹی میں سوئے ہوئے تھے
سبھی رنگ میں یوں بکھرنے لگے ہیں

پرندوں کا یہ چہچہانا ہمارا ہی رخ ہے
بہاروں کا موسم ہمی سے
یونہی ایک دن میں نے پھولوں سے پوچھا

Scanned with CamScanner

ذی شان ساحل

شاعر اور مسخرے

ہمارے یہاں عام طور پر
ہر موقعے پر
شاعر اور مسخرے
ایک جیسی کرسیوں پر بیٹھے ہیں
اور کرسیوں [illegible] ہے
ایک ہی راستے سے گزرتے ہیں
اور [illegible] سے پہلے
[illegible] پڑھتے ہیں
شاعر اور مسخرے ساتھ ساتھ چلتے ہیں
[illegible]
[illegible]
[illegible]
اور جو لوگ شاعر ہیں شاعری ہی نہیں دیتے
اس بات پر [illegible] نہیں
شاعر کی [illegible] ہے اور مسخرے کی کوئی نہیں
[illegible]
مسخرے کی ہنسی پر توجہ نہیں جاتی
یہ شاعر کی اسیری پر

اور اس بات پر کہ یہیں
شاعروں، مسخروں اور کرسیوں میں
کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا

کشتی

ہم لکھنے والے
وہ کہانی ہیں
جو خوابوں میں لکھی جاتی ہے
اور بہار میں سنائی جاتی ہے
اور وہ گیت ہیں
جو اندھیرے میں گایا جاتا ہے
اور روشنی میں
دہرایا جاتا ہے

ہم ایک ایسی دیوار ہیں
جو کسی راستے میں نہیں آتی
اور ایک ایسا دروازہ
جو ہمیشہ دریا کی طرف کھلتا ہے
اور ایک ایسی کھڑکی
جو کبھی بازار کی طرف نہیں کھلتی

ہم ایک ایسا درخت ہیں
جسے آپ کاٹ تو سکتے ہیں
مگر لگا نہیں سکتے
ہم اس درخت کے
کاٹے جانے کا افسوس
ہم اس درخت میں
پھوٹنے والی کونپلوں
کی خوشی

Scanned with CamScanner

زندگی اور لفظوں میں
بہت زیادہ فرق نہ آنے پائے
خاصی دیر تک
لڑکوں کی ہونٹوں کی حرکت
آنکھوں کی چمک کے
ساتھ ساتھ چلتا ہوں
مگر ہر کے دل تک
پھر بھی نہیں پہنچ پاتا۔

پتھر

"تمہارے ہاتھ پتھر کے ہیں
مگر کتنے نرم ہیں"
وہ کہتی ہے اور یہ کہ
میرے ہاتھ اس کا [illegible] ہیں
اور وہ میری ہتھیلیوں میں رہتی ہے
اور وہ کہتی ہے یہ بھی کہ میری آنکھیں
اس کی آنسوؤں سے زیادہ گہری نہیں
لیکن میرے خوابوں میں
اس کی آنکھوں سے زیادہ ستارے
[illegible] کہکشاں میں
وہ کہتی ہے، اور ایک چھوٹا سا پتھر
آسمان کی طرف اچھالتی ہے
میں اسے پانی پر
دائرے بنا کر ڈوبتے ہوئے دیکھتا ہوں
وہ مجھ سے پوچھتی ہے
یہ پتھر کہاں تک جا سکتا ہے؟
بارش کے پانی میں ڈوبی ہوئی
ایک عمر تک —
نہیں، وہ کہتی ہے
پھانسی گھر کے میدان میں بچھی ہوئی ریت تک
نہیں، نہیں، وہ پھر کہتی ہے

ہم اس درخت کے سایہ سے
اور ہم اس کی لکڑی سے بنی ہوئی
ایک ایسی کشتی میں
جس میں ابھرے
سفر نہیں کر سکتے

میٹرنگ ایڈ

رات گہری ہوتی ہے
[illegible]
[illegible] کمرے میں
[illegible] نہیں دیتی
[illegible] چلتے ہیں
[illegible]
[illegible]
[illegible] میں سے
[illegible]
[illegible]
[illegible]

شور مچاتی ہوئی چڑیا کی وجہ سے
وہیں سے چمکتی ہوئی گھاس
[illegible]
[illegible] لگی ہوئی گھڑی
دروازہ بند ہو جاتا ہے
کیفیت تبدیل ہو جاتی ہے
خاموشی میں، اور اندھیرے
مجھ تک یہ خواب

بہت کوشش کرتا ہوں
کہ ذرا سی خرابی سے

Scanned with CamScanner

کتابوں کی دکان میں رکھے ہوئے گلدان تک
شاید مگر ایسا نہیں ہو گا
تم نے دیکھا نہیں یہ پتھر
میرے دل میں سوراخ کرتے ہوئے
تمہارے ہاتھوں تک چلا گیا ہے

نظم

جب ہم خالی ہوں
ہم اشکوں سے
ایک ایسی شب کا نقشہ بناتی ہوں
جہاں دریا اور آسمان
ایک ہی رنگ سے ظاہر کیے جاتے ہیں
جہاں ستارے اور بادل
ایک ساتھ چلتے ہیں اور ٹھہرتے ہیں
اور جہاں پھول اور آنسو
ایک ہی تہوار کے ساتھ
رکھے اور اٹھائے جاتے ہیں
جہاں ہمارے خوابوں سے بھری ہوئی
ایکسپریس ٹرین
کبھی پٹری سے نہیں اترتی
اور جہاں تمہاری یاد
سڑک پار کرتے ہوئے
کسی تیز رفتار گاڑی کی زد میں نہیں آتی
اور جہاں پھولوں کی نمائش کے بعد
تم میں اور کسی تتلی
مقام میں نہیں دیا جاتا

تمہاری بنائی ہوئی
اس دنیا کے ایک کمرے میں
کسی وجہ سے جب آگ لگتی ہے
تم سے سمجھتی کہ یہ

اپنا کوئی آنسو ووٹ نہیں کریں
مجھے وہیں چھوڑ کے
کاش پر سے
اپنا ہاتھ ہٹا لیں ہم

ایک گیت جو کبھی پرانا نہیں ہوتا

یہ سفر جو میں کر رہا ہوں
کبھی ختم نہیں ہو گا
جب پھر میری رکی ہے
کسی سیٹی پر
یہ اندھیرے میں چمکتی ہوئی پریاں
ایک دوسرے سے ملتی
یا جدا ہوتی لگتی ہیں
مجھے ایک کہانی یاد آ سکتی ہے
میں ایک خواب دیکھنے لگتا ہوں
اور اس خواب میں تمہاری آنکھیں
ایک ایسا گھر بن جاتی ہیں
جس کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں
مگر جہاں کسی دیوار پر میری یاد
کیلنڈر کی طرح نہیں ہے

اسی خواب میں
میں ایک بازار سے گزرتا ہوں
جہاں ہر پوسٹر پر
تمہاری نظم لکھی ہے
یہ راستہ تمہارے کمرے کی طرف
نہیں جاتا
میں ان ہی درختوں سے
تمہاری باتیں کی تھیں
جہاں اب ہم میں سے کوئی نہیں

سڑک ابھی پوری آواز سے چیختا ہے
تیری آہستہ آہستہ چلنے لگتی ہے
اور میں سنتا ہوں ایک گیت
جو کبھی پرانا نہیں ہوتا

اوکتاویو پاز

نیلی آنکھوں کا گلدستہ

میں پسینے سے تر بتر نیند سے چونک اٹھا۔ سرخ اینٹوں کے فرش سے، جس پر تازہ چھڑکاؤ ہوا تھا، بھاپ کی گرم بھپک اٹھ رہی تھی۔ خاکستری پروں والا ایک پتنگا مدہوش ہو کر بجلی بتی کے گرد چکر کاٹ رہا تھا۔ میں اپنے جھولنے کھٹولے سے اچک کر اٹھا اور کمرے کی دوسری طرف ننگے پاؤں احتیاط سے چلا کہ میرا پاؤں کسی بچھو پر نہ پڑ جائے جو تازہ ہوا کی تلاش میں اپنی کمیں گاہ سے باہر نکل آیا ہو۔ میں چھوٹی سی کھڑکی کے پاس آیا اور دیہات کی ہوا میں سانس لینے لگا۔ رات کا سانس سنائی دے رہا تھا، نسوانی اور عظیم الجثہ۔ میں کمرے کے وسط میں آ گیا، صراحی سے پانی ٹین کی ہاتھ دانی میں ڈالا اور تولیہ بھگو لیا۔ میں نے سینے اور ٹانگوں پر گیلا کپڑا رگڑا، ذرا خشک کیا اور یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ میرے کپڑوں کی تہوں میں کوئی کیڑے مکوڑے تو نہیں گھسے ہوئے ہیں، تیار ہو گیا۔ میں بھاگتا ہوا ہرے زینے سے اترا۔ مسافرخانے کے دروازے پر میری مڈھ بھیڑ اس کے مالک سے ہو گئی جو ایک آنکھ سے کانا، گھنے مزاج کا آدمی تھا۔ بید کے مونڈھے پر بیٹھا ہوا، ایک آنکھ ادھ میچے ہوئے، وہ سگریٹ پی رہا تھا۔ پھٹی پھٹی آواز میں اس نے پوچھا:

"کہاں چل دیے، صاحب؟"

"ذرا ٹہلنے کے لیے۔ گرمی بہت ہے۔"

"ہوں، سارا بازار بند ہو چکا ہے اور یہاں سڑکوں پر بجلی کے کھمبے بھی نہیں ہیں۔ یہیں ٹک کر بیٹھے رہو تو اچھا ہے۔"

میں نے کندھے اچکائے، بڑبڑا کر کہا "جلدی لوٹ آؤں گا" اور اندھیرے میں داخل ہو گیا۔ پہلے پہل کچھ نظر ہی نہیں آیا۔ میں گلی کے پتھروں کو ٹٹولتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ میں نے سگریٹ سلگایا۔ اگلے ہی لمحے چمکتا چاند ایک سیاہ بادل کے پیچھے سے نکل آیا اور ایک سفید دیو

Scanned with CamScanner

[illegible] میں سجا رہی تھی
[illegible] میرے سکوروں سے بھرے [illegible]
[illegible] کے درمیان مکالمے [illegible] جھینگروں کی آواز، ستاروں کی ٹمٹماہٹ، [illegible]
[illegible] چنگاریاں سی اڑ رہی تھیں جیسے کسی پھوڑے سے شہاب ثاقب [illegible]

[illegible] اپنی پیٹھ میں چاقو کی نوک چبھتی ہوئی محسوس کی اور ایک شخص [illegible]

"حرکت نہ کرنا، صاحب، ورنہ اندر کر دوں گا۔"

مڑے بغیر میں نے پوچھا

"کیا چاہتے ہو؟"

"تمہاری آنکھیں صاحب" اس [illegible] سی آواز نے کہا۔

[illegible] مجھے جان سے نہ مارو۔

"ڈرو نہیں، صاحب، تمہیں ماروں گا نہیں۔ بس صرف تمہاری آنکھیں نکالوں گا۔

مگر تم میری آنکھوں کا کیا کرو گے؟" میں نے [illegible] پوچھا۔

[illegible] ایسی آنکھوں کا ملنا دشوار ہے۔"

"میری آنکھیں تمہارے کسی کام نہ آئیں گی۔ وہ بھوری ہیں، نیلی نہیں۔"

"مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش نہ کرو صاحب۔ میں خوب جانتا ہوں کہ تمہاری آنکھیں نیلی ہیں۔"

"کسی ایک ساتھی انسان کی آنکھیں مت نوچو۔ میں تمہیں ان کے بدلے کچھ اور دے دوں گا۔"

"تمہارے سامنے زیادہ ٹیک مت بنو" وہ درشت لہجے میں بولا۔ "اندر مڑو۔" میں مڑ گیا۔ وہ [illegible] میں دیہاتی وضع کا چہرہ تھا جس کا پھل چاندنی میں چمک رہا تھا۔

"مجھے اپنا چہرہ دیکھنے دو۔"

"میں نے ماچس کی تیلی جلائی اور اسے چہرے کے سامنے لے آیا۔ تیز روشنی میں میری [illegible]

"اب تمہیں اعتبار آیا؟ وہ نیلی نہیں ہیں۔"

"تم چالاک ہو رہے ہو" اس نے جواب دیا۔ "اچھا، دیکھتے ہیں۔ ایک اور جلاؤ۔"

میں نے [illegible] حکم دیا۔

"گھٹنوں کے بل جھک جاؤ۔"

میں جھک گیا۔ [illegible] تک کہ میری پلکوں سے [illegible] گیا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

"آنکھیں کھلی رکھو۔" اس نے حکم دیا۔

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ شعلے سے میری پلکیں جھلسنے لگیں۔ اچانک اس نے مجھے چھوڑ دیا۔

"ٹھیک ہے، نیلی نہیں ہیں۔ دفع ہو جاؤ۔"

وہ غائب ہو گیا۔ میں اپنا سر ہاتھوں میں تھامے دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا رہا۔ پھر [illegible] دیا۔

○○○○○

لہر کے ساتھ میری زندگی

جب میں نے وہ سمندر چھوڑا تو ایک لہر اوروں سے آگے بڑھتی چلی۔ وہ ہموار تھی اور [illegible]

Scanned with CamScanner

چاہا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میرے ساتھ اُٹھتی چلی۔ میں اس سے کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ [illegible] ساتھیوں کے سامنے [illegible] شرمندہ [illegible] پہچان [illegible] ہے [illegible] پھر [illegible] کی [illegible] نظروں نے مجھے مجروح کر دیا۔ [illegible] سمجھتا کہ یہ ناممکن ہے، کہ شہر کی زندگی ویسی نہیں ہے جیسے وہ اس نہر کی خوش [illegible] سے سوچتی آئی ہے جس نے [illegible] کی نہیں دیکھا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے مجھے دیکھتی رہی [illegible] نہیں سمجھا [illegible] چلو ہم اب واپس نہیں جا سکتے۔" میں نے نرمی [illegible] وہ [illegible] جیسے [illegible] گئی اور [illegible] مجھے معذرت کرنا پڑی۔

اگلے دن سے میری مشکلیں شروع ہو گئیں۔ ہم ریل پر کنڈکٹر کی، مسافروں کی پولیس [illegible] کی نظروں سے بچ کر کسی طرح سوار ہو سکتے تھے؟ مانا کہ قانون ریل گاڑی پر [illegible] کے [illegible] کے بارے میں خاموش ہے، مگر اسی سے اس منظر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جس کے ساتھ ہماری اس حرکت سے نمٹا جاتا۔ کافی غور و فکر کے بعد روانگی سے قبل [illegible] میں اسٹیشن پہنچا [illegible] سنبھال لی اور [illegible] وقت کوئی [illegible] نہیں رہا تھا [illegible] مسافروں کے پاس [illegible] اور پھر بڑی احتیاط کے ساتھ اپنی رفیقہ کو اس [illegible]

پہلا واقعہ اس وقت ہوا جب قریب بیٹھے ہوئے ایک خاندان کے بچوں نے شور مچا کر اپنی پیاس کا اعلان کیا۔ میں نے انہیں پیالا لیا اور ان سے ٹھنڈے شربت کا وعدہ کیا۔ وہ میری بات [illegible] کہ ایک اور مسافر کا ہاتھ آگے بڑھا۔ میں اسے بھی اپنی دعوت میں شریک [illegible] دیکھو [illegible] کاغذی پیالا اٹھایا [illegible] کی [illegible] کہ میں [illegible] اور اپنی رفیقہ کے قریب آ گیا۔ وہ حیران ہو کر میری طرف دیکھنے لگی۔ میں معافی مانگ رہا تھا کہ [illegible] دروازہ بند کر دیا۔ [illegible] کاغذی پیالا اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

"ارے یہ پانی نمکین ہے۔"

[illegible] کسی مسافر نے [illegible] مسافروں نے کنڈکٹر کو بلا لیا۔

"اس شخص نے پانی میں نمک ڈالا ہے۔"

کنڈکٹر نے انسپکٹر کو بلایا۔

"اچھا تو آپ پانی میں ملاوٹ کرتے ہیں؟"

انسپکٹر نے پولیس کو طلب کر لیا۔

"تو آپ نے پانی کو زہریلا کر دیا؟"

پولیس نے کپتان کو طلب کیا۔

"تو تم ہو زہر ملانے والے؟"

کپتان نے تین کارندوں کو بلایا۔ کارندے باقی مسافروں کی ناراض نظروں اور سرگوشیوں کے دوران مجھے ایک خالی گاڑی میں لے گئے۔ اگلے اسٹیشن پر انہوں نے مجھے [illegible] اور دھکیل کر گھسیٹتے ہوئے قید خانے لے گئے۔ کئی دن تک طویل تفتیش کے علاوہ کسی نے مجھ سے بات تک نہ کی۔ جب میں نے اپنا ماجرا [illegible] کسی نے [illegible] قید خانے کے [illegible] بھی نہیں۔ جو [illegible] رہا۔ [illegible] معاملہ گمبھیر ہے، بہت گمبھیر۔ تم بچوں کو زہر تو نہیں دینا چاہتے تھے؟" ایک دن وہ مجھے مجسٹریٹ کے سامنے لے آئے۔

"تمہارا معاملہ بہت مشکل ہے۔" [illegible] "میں اس کو توجہ کی عدالت کے سپرد کروں گا۔"

ایک برس گزر گیا۔ چونکہ کسی کو نقصان نہیں ہوا تھا، اس لیے میری سزا بھی ہلکی تھی۔ کچھ عرصے بعد میری آزادی کا دن آ گیا۔

قید خانے کے مہتمم نے مجھے اندر بلایا۔

"اچھا تو اب تم آزاد ہو۔ تمہاری قسمت اچھی تھی، کسی کو نقصان نہیں ہوا۔ آئندہ ایسا مت کرنا، اس لیے کہ اگلی بار اتنی مختصر نہیں ہو گی ـــ"

اور اس نے مجھ پر وہی غصے بھری نظر ڈالی جس سے لوگ مجھے دیکھتے آئے تھے۔

میں نے اسی دوپہر کی گاڑی پکڑی اور کئی گھنٹوں کے بے آرام سفر کے بعد میکسیکو شہر پہنچا۔ میں ٹیکسی لے کر گھر پہنچا۔ اپنے فلیٹ کے دروازے پر پہنچ کر میں نے ہنسی کی آواز سنی۔ میرے سینے میں درد کی لہر اٹھی جیسے سمندر کی لہر کی تھپیڑ۔ [illegible] ایک لہر کی صورت [illegible] مسکراتا ہے۔ میری رفیقہ وہاں موجود تھی، ہمیشہ کی طرح ہنس رہی تھی، گا رہی تھی۔

تم یہاں کیسے آئیں؟

آسانی سے۔ ریل میں آئی۔ کسی نے یہ اطمینان کر لینے کے بعد، کہ میں محض نمک ملا پانی ہوں، مجھے انجن میں اُونڈیل دیا۔ پھر اس سے آگے سفر ذرا دشوار تھا۔ جلد ہی میں ابخارات کا بادل بن گئی۔ جلد ہی بارش کی پھوار بن کر مشین پر گرنے میں بہت بے تاب ہو گئی۔ میری کمی بہت [illegible] گئیں۔"

اس کی موجودگی نے میری زندگی بدل دی۔ اندھیرے برآمدوں اور [illegible] سے اٹے سامان والا گھر [illegible] دھوپ اور [illegible] نیلے اور ہرے عکسوں سے بھر گیا۔ خوش باش گونج اور [illegible] سے آباد ہو گیا۔ ایک لہر میں کتنی لہریں ہیں اور وہ کیسے دیوار یا [illegible] پر سمندری جھاگ کا جھومر سجا کر ساحل [illegible] ساکارہ کر سکتے [illegible] حسن و [illegible] کی امواج کتنی ہیں [illegible] نرم ہاتھوں کے لمس سے محروم [illegible] ہنسنے لگی [illegible] کی طرح چمکتی ہیں۔ [illegible] کمروں میں سورج بہت عرصے سے [illegible] اور میرے گھر [illegible] رہنا، دوسرے گھروں [illegible] شہر اور پورے ملک کو چھوڑ کر [illegible] کئی راتوں کو بہت دیر گئے حیرت زدہ ستاروں نے اسے [illegible] میرے گھر سے جاتے ہوئے دیکھا۔

Scanned with CamScanner

[illegible]

کرتی، چاند سے ستاروں سے دوسری فضاؤں کی روشنی سے متاثر ہو کر وہ اس طرح بھی کیفیات اور ہیئت تبدیل کرتی کہ میں مشکل میں حیرت ہو جاتا مگر یہ جوار بھاٹے کی طرح مہک میں۔

وہ ابھی مسہری کے لیے ہر کسے لگی۔ سارا گھر گھونگھروں سے اور [illegible] چاند کی چھوٹی بادامی کشتیوں سے بھرا ہوا تھا جنھیں اس نے اپنے غصے کے اندھیرے میں موڑ دیا تھا (آوازوں کے ساتھ علامتوں سے بھری ہوئی ہر رات وہ میرے ساتھ سے الگ ہو [illegible] ہوش کو [illegible] میں [illegible] مگر میری [illegible] گھونگھروں کا خاموش [illegible] گھر میں [illegible] کا [illegible] قائم کرنا پڑا۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں رقابت کے احساس سے عاری نہیں تھا جس وقت میں نے [illegible] رفیقہ میں [illegible] اس کی چھاتیاں [illegible] اس کی ٹانگوں کی [illegible] اور اس کے بالوں کو رنگ کے کوندوں سے آراستہ کرتے ہوئے دیکھا۔

[illegible] تمام مجبوریوں میں [illegible] بالکل [illegible] اور قابل نفرت نہیں [illegible] کی طرح [illegible] اور [illegible] نہیں [illegible] معلوم کیا تھا [illegible] جس کی وجہ سے میری رفیقہ کو اس کے ساتھ [illegible] اور وہ اس کے لیے ایسی بے شرم پسندیدگی ظاہر کرتی کہ میں اسے [illegible] کرنے کی کوشش کرتے وہ اس [illegible] کے ساتھ پوری [illegible] میں رہی۔ [illegible] دوبارہ [illegible] بات کہوں [illegible] اور [illegible] وہ میرے ہاتھوں سے بچ نکلتی اور وہ [illegible] میرے سینے پر [illegible] کہ میں گر پڑا۔ مجھے ایسا لگا کہ میں ڈوب رہا ہوں۔ اور میں غرق ہو کر مر جاتا اور [illegible] جانے کو تھا کہ اس نے مجھے کنارے پر اچھال دیا اور مجھے چومنے لگی۔ خدا معلوم کیا کیسے لگی۔ اور میں اتنا میں اس کی [illegible] کی وجہ سے میں نے آنکھیں موند لیں، کیوں کہ اس کی آواز [illegible] اور وہ مجھ سے [illegible] کی شادی [illegible] کر رہی تھی۔ جب سنبھلا تو میں اس سے ڈرنے اور نفرت کرنے لگا۔

میں اپنے معاملات کی طرف سے بیزار ہو گیا تھا۔ اب میں پرانے دوستوں سے ملنے اور پرانے رشتوں کو بحال کرنے لگا۔ مجھے ایک پرانی محبوبہ [illegible] قسم دلا کر [illegible] کے ساتھ [illegible] زندگی کے [illegible] عورتوں کو کوئی چیز [illegible] نہیں کرتی [illegible] کہ ایک مرد کو بچہ نہ کہ سکا۔ میری شدت [illegible] کے [illegible] آزما لیں، مگر ایک عورت، روحوں اور جسموں کی ایک محدود تعداد پر قادر [illegible] میری رفیقہ [illegible] کر سکتی تھی [illegible] رہتی تھی [illegible] ہمیشہ اپنے آپ سے مشابہہ رہتی۔

جاڑا [illegible] آسمان [illegible] گیا۔ [illegible] پر کہرا گرنے لگا۔ [illegible] بھوار برسنے لگی۔ میری رفیقہ ہر رات [illegible] میں اس نے اپنے آپ کو سب سے الگ [illegible]

Scanned with CamScanner

اور پھر منظر [illegible] ایک [illegible] کی طرح۔ وہ سرد پر [illegible] کے ساتھ [illegible] رات بھر [illegible] اپنی [illegible] خیالات [illegible] محسوس کرتا۔ وہ کھڑی ہو گئی [illegible] [illegible] موت [illegible] وہ [illegible] میں بیٹھ کر [illegible] اور [illegible] کی طرح [illegible] مجھے ملامت [illegible] خواب نظر آتے۔ [illegible] ساحلوں اور سورج کے بھیانک خواب [illegible] [illegible] ستارے کھیر [illegible] اور [illegible] کی موت [illegible] [illegible] مجھ [illegible] کاروبار [illegible] ان کی [illegible] [illegible] میں بھیانک [illegible] مسکراہٹ کی نمائش کرتی رہتی۔

[illegible] میں سے [illegible] اور ہلکی [illegible] مجھے برف کی [illegible] میں [illegible] ایک [illegible] چھوٹے چھوٹے ٹکڑے [illegible] جاتی ہیں۔

(ہسپانوی)

انگریزی سے ترجمہ: آصف فرخی

اوکتاویو پاز

(Octavio Paz)

لاطینی امریکہ کے ممتاز ترین شاعروں میں سے ایک ہیں۔ ۱۹۱۴ میں میکسیکو سٹی میں پیدا ہوئے۔ کم عمری میں نظمیں لکھنے کا آغاز کیا۔ میکسیکو کی وزارت خارجہ سے وابستہ ہونے کے سبب [illegible] ۱۹۶۸ میں میکسیکو [illegible] میکسیکو [illegible] نظموں کے علاوہ تنقید، بشریات، جمالیات اور سیاسی موضوعات پر مضامین لکھے ہیں۔

یہودا امیخائی

بم کا قطر

بم کا قطر تیس سینٹی میٹر
اور اس کی کارکردگی کا قطر
تقریباً سات میٹر تک پھیلا ہے
اور اس میں چار ہلاک اور گیارہ زخمی ہیں
اور اس کے گرد وقت اور درد کے ایک بڑے دائرے میں
دو ہسپتال اور ایک قبرستان ہے
مگر ایک سو کلومیٹر دور سے آئی ہوئی
نوجوان لڑکی
جو وہاں دفن ہے
دائرے کو اور وسیع کر دیتی ہے
اور وہ آدمی جو ایک دور افتادہ ملک کے ایک گوشے میں
اس کی موت پر آنسو بہاتا ہے
ساری دنیا کو
دائرے میں شامل کر دیتا ہے

میری سابقہ طالب علم

میری سابقہ طالب علم ٹریفک کی سپاہی بن گئی ہے

Scanned with CamScanner

وہ شہر کے چوک پر کھڑی ہے
وہ خوشبوؤں اور چہرے کی آرائش کے سامان کے بکس کی طرح
ایک صنعت کا بنا ہوا بکس کھولتی ہے
اور میچنگ لائٹ کا رنگ
اپنے موڈ کے مطابق منتخب کرتی ہے
اس کی آنکھیں سبز، سرخ اور زرد رنگوں کا مجموعہ ہیں
اس کے بال تازہ بازاری لونڈوں کی طرح چھوڑے گئے ہیں
سیاہ چہرے پہ وہ بکس سے ٹیک لگائے کھڑی ہے
اس کا اسکرٹ اونچا اور تنگ ہے
میں اس مصروف جگہ کی بالائی سطح کے تمام حسن کا تصور کرنے کی ہمت نہیں رکھتا

اب میری سمجھ میں نہیں آتا، میں راستہ بھول چکا ہوں
موجودہ مردوں اور نوجوان عورتوں کا پورا دشت
پرجوش موجوں کی طرح مجھ سے ٹکراتا ہے
یہ ان کی کبھی نہ ختم ہونے والی قوت ہے
اور میری طالب علم، ٹریفک پولیس کی لڑکی
جس روک کی اہمیت نہیں رکھتی
وہ ان میں شامل ہو جاتی ہے

ٹیسو بہت بیمار تھا

ٹیسو بہت بیمار تھا
اس کا چہرہ پیلا ہو گیا تھا
مگر اس کی آنکھیں وہاں سے بڑی ہمت کے ساتھ پیش قدمی کر رہی تھیں
جیسے کسی جنگ میں ہارا لشکر
ہار کھائے ہوئے پسپا سپاہیوں کی دو صفوں سے
منزل کی طرف رستا جاتی ہے

اس کو جلد صحت یاب ہونا ہے
وہ ہمارے بینک کی طرح ہے
جس میں ہم نے اپنے دل کا سب کچھ جمع کرا دیا ہے

وہ سوئٹزرلینڈ کی طرح
بینکوں سے بھرا ہوا ہے

ہلکا سا لرزتا ہوا
وہ ایک سگریٹ پی رہا ہے
اور جیسا کہ ہر حقیقی شاعر کے ساتھ ہوتا ہے
وہ جلی ہوئی تیلیاں
ڈبے میں واپس رکھ رہا ہے

پرچم کیسے بنا

پرچم کیسے بنا
فرض کر لیجیے ہیں ابتدا میں یہ ایک تھا
پھر اسے پھاڑ کر دو حصے کر دیے گئے
اور قومیں دو مخالف لشکروں کے لیے کافی ہو گئیں

یا صورت بچپن کے غیرآباد حقیر باغ میں
سامنے کرسی کا دھاری دار پھٹا کپڑا
ہوا میں لہراتا ہو
ایک پرچم بن سکتا ہے
جو تمھیں اپنے ساتھ چلنے پر آمادہ کر دے
یا اپنے سچے سلام کرنے دے
یا اس سے غداری کرنے دے
یا اسے بھول جانے دے

میں نہیں جانتا، میری جنگوں میں کوئی پرچم اٹھانے والا
شعلوں اور دھوئیں کے بادل میں خاک آلود سپاہیوں کے سامنے سے نہیں گذرا
میں نے چہروں کو چشمے کی طرح پھوٹتے اور
دوہ لہروں میں تیزی کے ساتھ پسپائی کرتے ہوئے پایا
اب میں اس مقام سے بہت دور ہوں، اسی آدمی کی طرح
جو پل کی درمیانی موجود کناروں کو بھول جاتا ہے

Scanned with CamScanner

وہ وہاں ریلنگ پر جھکا بیٹھا ہوا پانی کو دیکھنے کے لیے کھڑا رہتا ہے
یہ بھی ایک پرچم ہے

وہ مکان جس میں میں نے کئی خواب دیکھے

وہ مکان جس میں میں نے کئی خواب دیکھے
[illegible]
گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے

سب میرے خواب دنیا میں آزاد ہو گئے ہیں
اور مجھے خطرے میں ڈالتے ہیں

میں جگہ جگہ بھٹکتا ہوں اور مکان بدلتا ہوں
تاکہ وہ مجھے نہ ڈھونڈ سکیں
کیا وہ پہنچ گیا ہے اور کیا وہ اب تک یہاں ہے"
دو سو لوگوں کی قربانی سے
میں حیرت انگیز مقامات کے لیے نکل جاتا ہوں

میں تمام شکار شدہ، گرفتار، ذبح کیے ہوئے
[illegible] سے پہلے فروخت شدہ
ٹکڑے نمک میں حلال کیے ہوئے
ٹانگے ہوئے اور اذیت پہنچائے ہوئے گوشت کے راستوں سے گزروں گا
میرے پاس ایک جیسی زندگی ہے
اور ایک جیسی موت
اور ایک جیسی قبر
جس کے کتبے پر کھدائی کی غلطیاں ہیں

جو لوگ اپنا گھر چھوڑتے ہیں

جو لوگ اپنا گھر چھوڑتے ہیں

۲

اس کو دعا مانگنے کی جگہ میں تبدیل کر دیتے ہیں
اس کا دروازہ بھاری لکڑی سے بنا ہے، جس میں مضبوط چٹخنی لگی ہے
مگر اس کی کھڑکیاں بڑی اور مخدوش ہیں
میز پر بال جھاڑنے کی برش میں ایک کنگھی پھنسی ہے
محبت میں دو گرفتاروں کی واحد یادگار
ایک کتاب کے صفحے پر نشان لگانے والا کاغذ، مگر کوئی کتاب نہیں ہے
ایک آئینہ، اور کوئی چہرہ نہیں ہے
مگر تمہارا نام ہے

میں یہاں تمباکو نوشی کر رہا ہوں ڈالتی
تمہارے کمرے میں، تاکہ دھواں درازوں میں ٹھہر سکے
کیونکہ میرے الفاظ نہیں ٹھہریں گے

بہت سے رنگوں کے گل دستے کی طرح
اب تمہارے کئی لہجے ہیں
ہم اس موسم میں ہیں جس میں شکار غیرقانونی ہے
تم سے محبت کرنا
اور اب تمہاری تلاش بھی ممنوع ہے

ہم ایک دوسرے سے اتنی دور ہیں
تم بھی صبح سے قبل یا بعد
بلکہ الگ اور اپنے طور پر زندہ رہتی ہو
بھی محبت کی سخت گیری کے ساتھ، جو
تمہاری بقیہ زندگی کا تعین کر دیتی ہے
"چونکہ بارش اور برف آسمان سے گرتی ہے
اور پھر کبھی وہاں واپس نہیں جاتیں"
وہ اٹھیں گی اور واپس چلی جائیں گی
اس وقت لوگوں کو یہ نہیں معلوم تھا

آنے دنوں میں جب تمہارا ماضی میرا آنے والا وقت بن جائے گا
ہم دونوں الگ الگ خوبصورت ہوں گے ڈالی
ہم تمہارے وطن کو بہتے ہوئے پانی
اور میرے پھیلے ہوئے صحرا کی طرح خوبصورت ہوں گے

Scanned with CamScanner

زندگی میں بعد از وقت

زندگی میں بعد از وقت
کئی دروازوں سے چھپتے
سرحدوں سے گزرتے ہوئے
میں جب تم تک پہنچا
مجھ میں شاید ہی کچھ بچ گیا ہو

تم ایسی عجیب عورت ہو
آدھی قسمت کے ساتھ زندہ رہتی ہو
تم ایک وحشی عورت ہو
جو اپنی آنکھوں کی پلکیں خوش پوش سامنے کی ہے
چشمہ پہنتی ہو

"چیزیں کھو جایا کرتی ہیں
اور چاہتی ہیں کہ دوسرے انہیں ڈھونڈ لائیں
صرف آدمی خود کو تلاش کرنے سے محبت کرتا ہے"
تم نے کہا

اس کے بعد تم نے اپنا پورا چہرہ
دو یکساں پروفائلوں میں موڑ دیا
پہلا دور فاصلوں کے لیے
دوسرا ایک یادگار کے طور پر میرے لیے
اور تم چلی گئیں

تم سیب کے اندر مجھ سے ملنے آتی ہو

تم سیب کے اندر مجھ سے ملنے آتی ہو
—
محتاط طور پر گردش کرتے ہوئے
چاقو کی آواز

ایک ساتھ سُن سکتے ہیں

تم مجھ سے باتیں کرتی ہو
مجھے تمہاری آواز میں ہنسی ہے
اس میں سخت تکلیف کی سسکیاں شامل ہیں

میں تمہارے ہونٹوں کو چھوتا ہوں
اور تمہارے ہونٹ سُرخ ہیں

تم سیب کے اندر مجھ سے ملنے آتی ہو
تم سیب کے اندر میرے ساتھ رہو گی
جب تک چاقو اپنا کام
ختم نہیں کر لیتا

(عبرانی)
انگریزی سے ترجمہ: افضال احمد سید

ooooo

ہماری محبت کے عرصے میں

ہماری محبت کے عرصے میں مکانوں کی تعمیر مکمل ہو گئی
اور کوئی، جس نے تب سیکھنا شروع کیا تھا بانسری بجانا سیکھ گیا
اس کے سُر چڑھتے اور اترتے
اب تم سن سکتی ہو
جب ہم ایک دوسرے کو نہیں چھوتے
جیسے پتے بیج کو چھوڑ دیتے ہیں
اور تم بیماری کے عالم میں رنگ تبدیل کرتی چلی جا رہی ہو
ایک ملک سے دوسرے ملک میں
ایک خواہش سے دوسری خواہش میں

اور اگرچہ ہم نے سب کچھ بہت دیوانگی سے لیا

Scanned with CamScanner

لیکن اب لگتا ہے کہ ہم معمول سے بہت نیچے تھے
بہت بلیچنگ بھی نہیں ہو سکے
دنیا میں اس کی نوکری ہیں اس کی بیند میں ــــ

اب سب کچھ ختم ہو چکا ہے
بہت جلد ہم دونوں میں سے کوئی بھی
دوسرے کو بھلانے کے لیے باقی نہیں رہ جائے گا

ہمارے جسموں کے نشان کی طرح

ہمارے جسموں کے نشان کی طرح
ہماری اس جگہ ہونے کا کوئی نشان نہیں رہے گا
دنیا ہمارے پیچھے بند ہو جائے گی
بہت خود کو ہموار کر لے گی

وہ تین ابھی سے نظر آ رہی ہیں
جن میں تمہارا وجود نہیں
ہوا ابھی سے وہ بادل لا رہی ہے
جو ہم دونوں پر نہیں برسیں گے

اور تمہارا نام ابھی سے جہازوں کے مسافروں کی فہرست میں درج ہے
اور ان ہوٹلوں کے رجسٹروں میں
جن کے نام بھی تم بھلا چکی ہو
وہ تمہیں زبانیں جو سمجھ آتی ہیں
سارے رنگ جو میں جاگتے میں اور خواب میں دیکھتا ہوں
کوئی میری مدد نہیں کرے گا

بہت دنوں سے کوئی نہیں پوچھتا

بہت دنوں سے کوئی نہیں پوچھتا

کہ اس مکان میں کون رہتا تھا، اور کون آخری بار بولا تھا
کون تھا اوورکوٹ اس کھونٹی میں بھول گیا تھا
اور کون بھی نمبر کی تھا (ور وہ بھاگا کیوں نہیں)

ایک سوکھا پیڑ بور لگتی پیڑوں کے بیچ کھڑا ہے
ایک مردہ پیڑ
یہ ایک پرانی بھول ہے جسے کبھی سمجھا نہیں گیا
ملک کے سرے پر شروع ہوتا ہوا کسی اور کا وقت
ایک مختصر سی خاموشی
اور جسموں کی دیوانگی اور عروج
اور سرگوشیوں میں سفر کرتا ہوا حلقوں کا خاتمہ

کبھی ہوا یہاں سے گزرتی تھی
ور ایک گمبھیر کتا انسانوں کو ہنستے دیکھتا تھا

بَیل گھر لوٹتا ہے

بیل رنگ میں اپنے دن بھر کے کام کے بعد گھر لوٹتا ہے
اپنے فاتحوں کے ساتھ کھانی پی کر
اور اپنے فہرست پتہ کے ساتھ اس کے لیے ایک رقعہ چھوڑ کر
جو سرخ رومال رکھنے کی جگہ بتا کر
(تلوار اس کی اکڑی ہوئی گردن میں گڑی ہوتی ہے
اور گڑی رہتی ہے)
اب وہ اپنے گھر میں ہے
اور اپنی بھاری بیہودہ آنکھیں لیے اپنے بستر پر بیٹھا ہے
اسے معلوم ہے
گوشت میں اترتی ہوئی تلوار کو بھی اذیت ہوتی ہے
اگلے جنم میں وہ ایک تلوار ہو گا
اذیت باقی رہے گی
("دروازہ کھلا ہے،
اگر تم ہو تو چابی دری کے نیچے ہو گی")

Scanned with CamScanner

وہ شام کی مہربانی سے واقف ہے
سچی مہربانی سے
انجیل میں اسے پاک جانوروں میں شامل کیا گیا ہے
وہ حلال گوشت ہے اور اپنی جگالی کرتا ہے

اس کا دل بھی سینگ کی طرح مڑا ہوا ہے
اور سچ سے جڑا ہوا ہے
باہر اس کے سینے پر بال اگ آئے ہیں
خشک اور مٹیالے بال
جیسے موٹی دری کے دھاگوں جیسے

اونچی ایڑی کے جوتے

زمین نے کتنی بار جواب دیا
[illegible]
جب تم اونچی ایڑی کے جوتوں سے کھنکھناتی
سڑک پار کر رہی تھیں
میں نے کتنی بار کہا
[illegible]
لیکن تم نے سنا نہیں

میدان جنگ پر بارش

پانی میرے ساتھیوں کے چہروں پر پڑ رہا ہے
میرے زندہ ساتھیوں کے چہروں پر
جنھوں نے اپنے سروں پر کمبل اوڑھ رکھے ہیں
اور پانی میرے مرے ہوئے ساتھیوں کے چہروں پر پڑ رہا ہے
جنھوں نے کچھ نہیں اوڑھ رکھا

خدا کی تقدیر

خدا کی تقدیر اب
درختوں، پتھروں، سورج اور چاند کی تقدیر ہے
جنھیں پوجنا بند کر دیا گیا
جب وہ ایک خدا پر ایمان لے آئے

لیکن وہ ہمارے ساتھ رہنے پر اسی طرح مجبور ہے
جیسے درخت، جیسے پتھر
سورج، چاند اور ستارے

ایک بار

ایک بار میں بھاگ نکلا تھا
مجھے یاد نہیں کہاں اور کس خدا سے
سو مجھے اپنی زندگی میں یوں سفر کرنا ہے
جیسے یونس نے اپنی اندھیری مچھلی میں کیا تھا
میرے اور مچھلی کے درمیان یہ طے پا چکا ہے
ہم دونوں خدا کی آنتوں میں ہیں
میں باہر نہیں نکلوں گا
وہ مجھے ہضم نہیں کرے گی

جاسوس

بہت برسوں پہلے
مجھے اس سرزمین میں بھیجا گیا تھا
جو تیس برس کی سرحد کے اس پار ہے

لیکن میں وہیں رہ گیا

Scanned with CamScanner

اور اپنے بھیجنے والے کے پاس واپس نہ گیا
تاکہ مجھے اس علاقے کے بارے میں بتانا نہ پڑے
اور جھوٹ نہ بولنا پڑے

وہ مجھے بلاتے ہیں

نیچے [illegible]
اور اوپر فرشتے
دونوں [illegible]
ایک ساتھ مجھے پکارتے ہیں
میں آ رہا ہوں
رہا ہوں
رہا ہوں نیچے
آ رہا ہوں اوپر

میں جس شہر میں پیدا ہوا

میں جس شہر میں پیدا ہوا وہ بارود سے تباہ ہو گیا ہے
جس جہاز سے مجھے اپنے وطن پہنچایا وہ بعد کی کسی جنگ میں ڈوب گیا
حمادیہ کے جس گودام میں میں نے محبت کا وقت بسر کیا وہ جل چکا ہے
مٹھائی کی دکان کو دھماکے سے اڑا دیا گیا
اسمٰعیلیہ کا وہ پل جسے میں محبت کی راتوں میں بیتابی سے پار کرتا رہتا تھا
ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا

اس طرح میری زندگی میرے پیچھے ایک قطعی نقشے کے مطابق مٹائی جاتی رہی ہے
میری یادیں کب تک مستحکم رہ سکتی ہیں
میرے بچپن کی ساتھی لڑکی کو مار دیا گیا
اور میرا باپ چل بسا

سو اب تمہیں عاشق یا بیٹے

کے

یا پل پار کرنے والے
یا شہری، یا کرایہ دار کے طور پر
میرا انتخاب نہیں کرنا چاہیے

میرے پاس جنگ کے بارے میں کہنے کو کچھ نہیں

میرے پاس جنگ کے بارے میں کہنے کو کچھ نہیں
مجھے کوئی نئی بات نہیں کہنی ہے، میں شرمندہ ہوں

جو علم میں زندگی بھر جذب کرتا رہا
اب اس سے دست بردار ہوتا ہوں، جیسے صحرا
جس نے پانی کے ہر قطرے کو ترک کر دیا ہو
وہ نام جنھیں بھولنے کا میں تصور نہیں کر سکتا تھا
اب بھولتا جا رہا ہوں،

اور جنگ ہی کی وجہ سے
ایک آخری اور سادہ مسرت کی خاطر میں دوہراتا ہوں
سورج زمین کے گرد گھومتا ہے، ہاں
زمین ایک راہ بھٹک کر بہتی ہوئی تختی کی طرح ہموار ہے، ہاں
خدا عرش پر ہے، ہاں

(عبرانی)
انگریزی سے ترجمہ: اجمل کمال

یہودا امیخائی **(Yehuda Amichai)**

۱۹۲۴ میں ورزبرگ، جرمنی میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں یہودی مذہبی ماحول میں پرورش پائی اور مذہبی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۳۶ میں اپنے خاندان کے ساتھ فلسطین منتقل ہو گئے۔ امیخائی کی نظموں کا پہلا مجموعہ ۱۹۵۵ میں شائع ہوا اور اس کے بعد نظموں کے متعدد مجموعوں کے علاوہ ناول، کہانیاں اور ڈرامے بھی چھپ چکے ہیں۔ اسرائیل کے ممتاز ترین شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

جولین بارنز

ایما بوواری کی آنکھیں

میں آپ کو بتاتا ہوں کہ مجھے نقادوں سے کیوں نفرت ہے۔ عام وجوہ کی بنا پر نہیں، کہ یہ ناکام تخلیق کار ہوتے ہیں (عام طور پر نہیں ہوتے؛ ناکام نقاد ہو سکتے ہیں، لیکن یہ الگ بات ہے)؛ یا یہ کہ یہ فطرتاً نکتہ چیں، حاسد اور خود پسند ہوتے ہیں (عام طور پر نہیں ہوتے، بلکہ ان پر تو [illegible] سے زیادہ فیاض ہونے کا الزام دھرا جا سکتا ہے، کہ یہ دوسرے درجے کی چیزوں کی ضرورت سے زیادہ تعریف کرتے ہیں تاکہ خود اُن کی پرکھ میں امتیازات نادرتر نظر آنے لگیں)۔ نہیں، میں جس وجہ سے نقادوں سے نفرت کرتا ہوں — خیر، بعض اوقات ہی سہی — تو وہ اس لیے کہ وہ اس قسم کے جملے لکھتے ہیں:

> فلوبیر اپنے کرداروں کی تعمیر اس طرح نہیں کرتا جس طرح بالزاک کرتا تھا، معروضی اور خارجی بیان کے ذریعے؛ سچ تو یہ ہے کہ وہ اُن کی ظاہری شکل کے معاملے میں اس قدر بے پروا واقع ہوا ہے کہ ایک موقع پر وہ ایما کی آنکھوں کا رنگ بھورا دکھاتا ہے (۱۴)، ایک اور موقع پر گہرا سیاہ (۱۵) اور ایک اور موقع پر نیلا (۱۶)۔

یہ [illegible] و شکست [illegible] اور مایوس کن فردِ جرم مرحوم ڈاکٹر اینڈ سٹارکی (Enid Starkie) نے لگائی ہے جو آکسفورڈ یونیورسٹی میں فرانسیسی ادب کی ریڈر ایمریطس اور فلوبیر کی سب سے مکمل سوانح نگار [illegible] میں سے ہیں جو معتبر شمار ہوتی ہیں۔ [illegible] کی طرف ہو جاتے ہیں جب میں [illegible] اور سطروں کے [illegible] سوانح نگار کو [illegible] کی اس سے الگ کر رکھ دیا ہے۔

ایک بار مجھے ڈاکٹر سٹارکی کو سننے کا اتفاق ہوا، اور مجھے یہ اطلاع دیتے ہوئے مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ (بعد از مرگ) اُن کی فرانسیسی بہت ہی [illegible] تھی۔ [illegible] جو [illegible] زبان کے [illegible] تلفظ کی [illegible] اور [illegible] جو زبان کو گوش کے ذریعے سیکھنے سے آتا ہے، جو روزمرہ کی فرانسیسی زبان [illegible] سے پیدا ہونے والی غلطی کے ذریعے ڈگمگاتی رہتی ہے، اور اکثر دونوں محض ایک ہی سطر میں [illegible] اس سے ظاہر ہے آکسفورڈ میں درس و تدریس کی اہمیت کو کوئی گزند نہیں پہنچی کیونکہ [illegible] تک زندہ زبانوں کو بھی اس طرح پڑھا رہی ہے جیسے مردہ زبانوں کو، اس طرح وہ کچھ زیادہ باوقار نظر آنے لگتی ہیں، لاطینی اور یونانی کی [illegible] سے زیادہ مناسب۔ تاہم مجھے یہ بات خاصی عجیب لگی کہ کوئی شخص جو پیسے ہی [illegible] کے واسطے فرانسیسی [illegible] رہی ہو وہ اس زبان کے بنیادی الفاظ کو اسی طرح [illegible] سے اس بھیانک درجہ قاصر رہے جس طرح اس کے موضوع [illegible] (جس کا [illegible] چاہیں تو اُن کے تبصرہ [illegible] والوں سے) انہیں اوّل اوّل [illegible] کیا تھا۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ ایک مرحوم خاتون نقاد سے کیا رکیک بدلہ لے رہا ہے، اور وہ بھی صرف اتنے سے جرم کی پاداش میں کہ اس نے اس طرف توجہ دلائی کہ فلوبیر کو ایما بوواری کی آنکھوں کا [illegible] [illegible] [illegible] میں [illegible] [illegible] (ظاہر میں [illegible] کی حیثیت سے جو بات کر رہا ہوں)، پھر اگر کوئی اس قسم کی چیز کی طرف آپ کی توجہ دلائے تو اس پر جھٹ برہم ہوا جائے، کم سے کم ڈاکٹر سٹارکی پر نہیں [illegible] شروع میں نہیں [illegible] جیسا کہ عام محاورا ہے، محض [illegible] ادا کر رہی تھیں — بلکہ فلوبیر پر، محنت شاقہ کی عادی اس عبقری سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ [illegible] مشہور ترین فرد کی آنکھوں کا رنگ پورے ناول میں ایک جیسا [illegible] [illegible] [illegible] اس سے [illegible] [illegible] [illegible] (یا فروختہ) [illegible] کی طرف [illegible] دیتی ہیں۔

مجھے اعتراف ہے کہ جتنی بار بھی "مادام بوواری" پڑھی، بیوی کی [illegible] آنکھوں کی طرف سرے سے کبھی توجہ ہی نہ دی۔ کیا دینی چاہیے تھی؟ آپ دیتے؟ کیا میں دوسری چیزوں پر توجہ دینے میں ضرورت سے زیادہ منہمک تھا جو ڈاکٹر سٹارکی کی نظروں سے [illegible] رہی تھیں (گو اس وقت میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ کیا چیزیں ہو سکتی تھیں)؟ [illegible] دیگر، کیا کہیں کوئی مثالی، مکمل قاری موجود ہے؟ کیا ڈاکٹر سٹارکی کے [illegible] "مادام بوواری" پڑھنے [illegible] وہ تمام تاثرات [illegible] ہیں جو اس کو پڑھتے وقت مجھے [illegible] ہوئے [illegible] کے علاوہ کثیر تعداد میں بہت کچھ اور بھی جس کی سمجھ میں میرا مطالعہ [illegible] پاتا؟ نہیں بھی [illegible] کریں، میرا مطالعہ [illegible] کی [illegible] سے جو [illegible] ہے، کتاب سے لطف اندوز ہونے کے لحاظ سے بالکل نہیں۔ اب میں یہ تو نہیں ثابت کر سکتا کہ میٹرپیٹ قاری پیشہ ور نقادوں کے مقابلے میں حظ اٹھانے کی صلاحیت زیادہ رکھتے ہیں، لیکن

Scanned with CamScanner

میں آپ کو بس ایک غلطی کے بارے میں ضرور بتا سکتا ہوں جو جیسی آپ ہو حاصل ہے ہم
[illegible]
یہ جو کتابیں پڑھاتے ہیں، اور جن کتابوں کے بارے میں لکھتے ہیں وہ ان کے حافظے سے کبھی
محو نہیں ہو سکتیں۔ یہ ان کا کمال کتم ہی جاتی ہے۔ شاید اسی لیے بعض بعض نقاد ایسے
موضوع کے حق میں بنا دیا سا سرپرستانہ لب ولہجہ اختیار کر لیتے ہیں، ان کا طرز عمل کچھ
یوں ہوتا ہے جیسے شیکسپیئر یا ملٹن یا ورڈزورتھ جیولا فرسٹ میں جنکورٹ لیتی ہوں کوئی
سالخوردہ آگنا ٹیٹس والی مثال دیتے ہوں جس سے ماسٹر کی ہچکی لے رہے ہوں اور جو
ماضی کی بازگشت کے سوا اور کسی چیز میں دلچسپی نہ رکھتی ہو اور جس نے سالہاسال سے
کوئی نئی بات نہ کہی ہو۔ جن ہاں، ان میں کیا کلام کہ کون سالے ہی کا ہے ور جس کو دیکھنے
ملاکر یہ اس میں دھوکا دیے بیٹھا ہو۔ تاہم سچ یہ ہے کہ یہ ہوجاتی جاتی ہی ہیں سے وقت
غریب ہے۔

[illegible]

ہو سکتا ہے۔ قوت کو آ سکتا ہے۔ اور بار دیگر کے بارے میں سخر اور موجود ہو سکتا ہے۔ خانگی
زندگی کو بس رشتے میں مشغول ہونے کی کبھی ضرورت نہیں پڑتی یہ رشتہ متفرق الاوقات تر ہو
سکتا ہے۔ [illegible] شدید ہوتا ہے۔ اس میں ذرا مرد
[illegible]
[illegible] کبھی تعبیر کر نہیں سے جوڑ آواز ہوں، ان یادہانی کی
ضرورت نہیں محسوس ہوتی کہ ماضی بعید میں کو قریبی سے لٹکا دیا ہوتا، یا ثالثت کو بعد از
[illegible] سے باز نہیں رہنے والی،
[illegible] جس طرح عام ہو ہو
[illegible] اگر "بےمعنی" نظر آئی، تب
[illegible] خیال کیا تھا مجھے اس سے محبت
[illegible] یاد آتا ہے۔ لیکن میں یہ کسی
اور موقعے کے لیے اٹھا رکھتا ہوں۔

[illegible] جس میں میں سامع کی حیثیت سے
[illegible] (Cheltenham) کی ادبی میلے میں، یہ لیکچر کیمبرج کی
[illegible] (Christopher Ricks) نے دیا تھا۔ یہ ایک بڑی
[illegible] اور لیکچر بھی،
[illegible] "ادب میں غلطیاں" اور کیا یہ واقعی اہمیت کی حامل
[illegible] (Yevtushenko) [illegible] کے بارے میں ایک نظم میں
[illegible] فوجی لباس پہنا جاتا ہے، اس کی
[illegible] جو گرمی والی ہوا بھر کر

بارے میں غلط تھا۔ نیبوکوف (Nabokov) [illegible]
[illegible] اور چند اور مثالیں بھی تھیں، کورنج، [illegible]
"ہاک" اور "ہینڈ سا" (hawk and handsaw) کے فرق سے غلطی [illegible]
[illegible] کہ "ہینڈسا" ہوتا کیا بلا ہے۔

دو مثالیں، خاص طور پر، میرے ذہن میں اٹک کر رہ گئیں۔ پہلی [illegible]
بارے میں بڑی قابل لحاظ دریافت تھی۔ اس مشہور منظر میں، جس میں پگر
[illegible]
بالکل الٹ پلٹ ہو کر رہ گیا ہے۔ پگر نزدیک بیں سے اس عارضے کے واسطے جس سے [illegible]
[illegible] والی عینک تجویز ہوتی ہے آس سے آگ سلگانے کا کام ہرگز [illegible]
[illegible]
[illegible]

دوسری مثال کا تعلق [illegible] Charge of the Light Brigade [illegible]

Into the valley of death / Rode the six hundred

[illegible] "چھ سو" [illegible]
[illegible] (Camille Rousset) [illegible]
[illegible]
کیا گیا۔

Into the valley of death / Rode the six hundred and seventy-three?

لیکن مصرعے میں وہ غنائی آہنگ کہاں! تو تعداد کو سات سو کر لیں تو شاید کام چل جائے؟
— لیکن یہ بھی کہاں بالکل درست ہے؟ خیر، بالکل نہ سہی کم از کم مقابلتاً زیادہ درست ہو
[illegible] اور نظم میں تبدیلی [illegible]
[illegible] (جیسا کہ میرا خیال ہے) سات سو سے کہیں زیادہ بہتر ہے، چنانچہ
برقرار رہنی دو۔

"چھ سو تہتر" یا "تقریباً سات سو" کے بجائے "چھ سو" کا استعمال میری دانست میں تو
کوئی ایسی بات نہیں جسے "غلطی" سے متصف کیا جا سکے۔ دوسری طرف، [illegible]
[illegible] "غلطی" کی صنف میں ڈالا جا سکتا ہے۔ اب کلا
سوال یہ پیدا ہوتا ہے [illegible] کوئی فرق پڑ جاتا ہے؟ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

Scanned with CamScanner

ہونا چاہیے، اس کی صحیح قدر و قیمت متعین ہو جاتی ہے یہ دلیل، کم از کم مجھے تو بڑی [illegible] معلوم ہوتی ہے [illegible] کسی موقعے پر [illegible] جہاں مثلاً کسی چشمے کا [illegible] چشمہ [illegible] پروفیسر [illegible] لوگوں کی توجہ اس طرف [illegible] (۳) کو جس نے بھی ہو وہ غلطی کو [illegible] طرح کسی [illegible] دیکھنے کے [illegible] کر دیا [illegible] (جو [illegible] ایک کتا ہی موجود ہے) ناول کے بقیہ حصے کو آگ میں لگا دیتا۔

غلطیاں، مثلاً جیسی کہ گولڈسمتھ کی ہیں "عمرانی غلطیاں" ہوتی ہیں — اس تفاوت کی وابستہ ہوتی ہیں جو کسی چیز کے بارے میں کاتب کے دعوے اور حقیقت کے بارے میں ہمارے علم کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اکثر و بیشتر یہ محض اس بات کی دلیل ہوتی ہیں کہ ادیب کسی علم سے متعلق مخصوص فنی معلومات سے نابلد ہے یہ گناہ بالکل قابلِ درگزر ہے۔ لیکن "داخلی غلطیوں" کے بارے میں کیا حکم دیا جائے، مثلاً جب ادیب نثر نگاری میں دو ایسی باتوں کا ذکر کرے جو ایک دوسرے کی ضد ہوں اور جن میں کوئی موافقت نہ پایا جاتا ہو؟ ایما کی آنکھیں بھوری ہیں، ایما کی آنکھیں نیلی ہیں۔ [illegible] ناقابلیت ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے، اور [illegible] ایک ناول پڑھا جو ایک ادیب کی بہترین کاوش تھا، اور جس کی خوب تشہیر بھی ہوئی تھی۔ اس کا راوی — جو جنسی اعتبار سے ناآسودہ اور [illegible] ادیب کا خواب پرستار [illegible] لڑکی کو [illegible] کی بھرپور [illegible] کی) بتدریج اسی طرف کھینچ [illegible] اس کی آنکھوں میں ڈوب کر دیکھو جیسے [illegible] "مادام بوواری" کی [illegible] ایک [illegible] معلوم ہوا ہو

مجھے محسوس ہوا کہ بات بڑے سلیقے سے ادا کی گئی تھی بلکہ بڑے پرلطف طریقے پر۔ لیکن چکر یہ تھا کہ "مادام بوواری" کی پہلی اشاعت سے [illegible] جیسی کسی چیز کا سرے سے وجود ہی نہیں۔ یہ ناول جیسا کہ میرے خیال میں کم و بیش سبھی جانتے ہیں [illegible] پہلی بار "ریویو دی پیرس" (Revue de Paris) میں قسط وار طبع ہو کر [illegible] کا مقدمہ چلا [illegible] کتابی صورت میں شائع ہوا [illegible] ناول نگار (اُن کا نام ظاہر کرنا سراسر زیادتی ہو گی) شاید [illegible]

بھوری آنکھیں، نیلی آنکھیں، کیا اس سے واقعی کوئی فرق پڑ جاتا ہے؟ نہیں، اگر ادیب خود اس کی تردید کرے تو [illegible] فرق پڑ جاتا ہے؛ لیکن، کیا اس کی اہمیت ہے کہ آنکھیں کس رنگ کی ہیں؟ [illegible] ناول نگاروں کو عورتوں کی آنکھوں کے رنگ کا ذکر کرنا پڑ جائے تو [illegible] پسند کے لیے انتخاب اتنا محدود ہوتا ہے اور انتخاب کا [illegible] جس رنگ پر نظر ٹھہرائیے [illegible] پیش پا افتادہ مضمرات کا حامل نکل آتا ہے۔ اس کی آنکھیں نیلی ہیں؛ معصومیت اور [illegible] سیاہ ہیں؛ شہوانیت اور گہرائی؛ سبز ہیں؛ سرکشی اور حسد؛ بھوری ہیں؛ اعتبار اور [illegible] ناول ریمنڈ چینڈلر (Raymond Chandler) کا [illegible] کے بارے میں جملہ معترضہ کے [illegible] بھلا کہاں ممکن ہے۔ اس کی آنکھیں کیچڑ کے رنگ کی ہیں) وہ جو [illegible] استعمال کرتی ہے تو اس کی آنکھیں اسی حساب سے اپنا رنگ بدل لیتی ہیں؛ اس [illegible] کی طرف کبھی دیکھا ہی نہیں۔ [illegible] انتخاب کر لے جو چاہیں [illegible] لیجیے۔ میری بیوی کی آنکھیں سبزی مائل نیلی ہیں جس سے اس کا قصہ خاصا طول طویل ہو جاتا ہے چنانچہ میرا خیال ہے کہ لکھنے والا صاف گوئی کے خالص ذاتی لمحات میں آنکھوں کی تعریف کی مہملیت کا شاید ضرور معترف ہوتا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ معمولی کردار کا تصور کرتا ہے [illegible] ایک شکل میں ڈھالتا ہے اور پھر [illegible] چشم میں [illegible] آنکھوں کی ایک جوڑی تھما دیتا ہے۔ آنکھیں! جی ہاں، اس کی [illegible] ہوں ہی چاہئیں، وہ [illegible] تواضع سے سوچتا ہے۔

[illegible] (۱) کو معلوم ہونا ہے کہ ادیب غلطی کا مرتکب ہوا نہیں کہ اس کی نظر میں بیچارے کی ساری عزت آبرو جاتی رہی۔ دوسری طرف مجھے اگر تعجب ہے تو اس بات پر کہ ادیب کس قدر کم غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ [illegible] (Liege) کا [illegible] جب مرنا چاہیے اس سے پندرہ سال پہلے ہی مر جاتا ہے تو کیا اس سے "کوئنٹن ڈروڈ" (Quentin Durward) باطل ہو جاتا ہے؟ یہ بڑی معمولی سی بدعنوانی ہے جو [illegible] نگاروں کی طرف اچھال دی گئی ہے۔ میں ناول نگار کا تصور اس طرح کرتا ہوں کہ وہ (برہنہ) جسم پر [illegible] اور عقل و [illegible] کی کشتی کے دنبالے میں [illegible] سے [illegible] ہڈی کے ٹکڑے [illegible] کے سامنے صدائیں دیتے ہوئے اِن پرندوں کی طرف پھینکتا جا رہا ہے۔

میں [illegible] تک کہ [illegible] کی آنکھوں کا رنگ دیکھنے سے قاصر تھا، موصوف کے بارے میں مجھے صرف اتنا ہی یاد ہے کہ انھوں نے ملاحوں (۲) جیسے کپڑے پہنے ہوئے تھے

---

۱ — یہ فلوبیر کی نامکمل ناول (Bouvard et Pécuchet) کے کردار ہیں۔ اس ناول میں، جو فلوبیر کی وفات کے بعد شائع ہوا [illegible] اس میں [illegible] سے متعلق [illegible] (مترجم)

۲ — اصل میں mariner کا لفظ استعمال ہوا ہے جیسے sailor کا مترادف کہا جا سکتا ہے "ملاح" یعنی کام چلاؤ ترجمہ ہے۔ (مترجم)

[illegible] (۲) کی [illegible] [illegible]
کو مالکا میں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کی طرح [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کی طرح [illegible]
پر [illegible] [illegible] [illegible] کی گرم جوشی کے [illegible] سے
[illegible] [illegible] [illegible] زندگی کے
[illegible] مادام بوواری کے [illegible] [illegible] [illegible] ہے
[illegible] [illegible] فلوبیر [illegible] [illegible] کے [illegible] [illegible]
سبب سے پہلی بار یہ جس سے ہماری نظریں چار ہوتی ہیں، یہ۔ آپ چاہیں تو وہ لمحہ ہی جب
ڈاکٹر [illegible] میں فلوبیر سے متعارف کراتی ہیں۔ لیکن اس صورت میں [illegible] ہے کہ یہ فلوبیر
کو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] کی [illegible]
[illegible] حقیقت [illegible] [illegible] کا کیا بنتی؟

شاید آپ ابھی تک یہی سوچ رہے ہیں کہ میں ایک انتہائی عالم کی خلاف مقاومت کا
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
چاہیں؟ میں سے یہی ہے "مادام بوواری" دوبارہ پڑھی ہے

ایک موقع پر وہ ایسا تی آنکھوں کا رنگ بھورا دکھاتا ہے (۱۴)، ایک اور موقع پر
گہرا سیاہ (۱۵) اور ایک اور موقع پر نیلا (۱۶)۔

اور اس تمام بھاگ دوڑ میں جو سبق نکلتا ہے وہ، میرے خیال میں، یہ ہے کہ موقع کا
[illegible] ہی دم دبا کر بھاگ نہیں کھڑے ہونا چاہیے، یہ [illegible] [illegible] سوال جو فلوبیر نے پوری
کتاب میں ایما بوواری کی آنکھوں کے بارے میں دیے ہیں:

۱ ۔ (جب ایما پہلی بار ظاہر ہوتی ہے) "جہاں تک اس کے حسین ہونے کا تعلق ہے
تو اس حسن کا مرجع اس کی آنکھیں تھیں اگرچہ یہ بھوری تھیں تاہم اس کی پلکوں کے
باعث سیاہ نظر آتی تھیں۔۔۔"

۲ ۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
(ادارہ)
۳ ۔ [illegible] [illegible] [illegible] کا نام جہاں وہ ۱۸۳۹ میں اپنے والد کی وفات کے
بعد مستقل قیام کے لیے آ گیا تھا۔
(مترجم)

۲ ۔ (شادی کے ابتدائی ایام میں، اپنے بورسکار شوہر کی زبانی) "اس کی آنکھیں
بڑی لگتیں، خاص طور پر اُس وقت جب وہ بس ابھی بیدار ہو رہی ہو اور جلدی جلدی
اپنے پپوٹے پھڑپھڑا رہی ہو؛ سائے میں سیاہ اور کھلی روشنی میں یہ گہرے نیلی نظر آتیں
اور ایسا لگتا جیسے ان میں رنگوں کی تہ در تہ پرتیں سی ہیں، جو نیچے
گہرائیوں میں گہرے رنگ کی ہیں اور [illegible] سطح تک آتے آتے ہلکی پڑ رہی
ہیں۔"

۳ ۔ (ایما سے پہلی ملاقات ہوتی ہے) "وہ اسے بڑی بڑی پوری کھلی ہوئی آنکھوں
سے تکنے لگی۔"

۴ ۔ (موم بتیوں کی روشنی میں ایک رقص کے دوران) "اس کی سیاہ آنکھیں کچھ اور
زیادہ سیاہ نظر آ رہی تھیں۔"

۵ ۔ (فلوبیر خانہ، جیسی کہ وہ رودلف کو اس وقت نظر آتی ہے جب وہ پہلی بار اس
کا معائنہ کر رہا ہوتا ہے) "اس کی سیاہ آنکھیں۔۔۔"

۶ ۔ (فلوبیر خانہ، شام کے وقت جب ایما ابھی ابھی رودلف کی جنسی ترغیب میں
آئی کے بعد [illegible] ہے) "اس کی آنکھیں اس سے قبل اتنی بڑی نہیں تھیں، نہ اتنی
سیاہ، نہ ان میں اتنی زیادہ گہرائی تھی۔"

ہاں تو بتاؤ تم کیا کیا تھا؟ فلوبیر [illegible] کی [illegible] اس طرح نہیں کرتا جس طرح
[illegible] کرتا تھا [illegible] اور خارجی بیان کے ذریعے سچ تو یہ ہے کہ وہ اس کے ظاہری حلیے کے
معاملے میں اس قدر لاپروا واقع ہوا ہے کہ۔۔۔ فلوبیر نے جو وقت اس بات کا یقین کر لینے پر
صرف کیا ہو گا کہ اس کی ہیروئن کی آنکھیں [illegible] [illegible] کی [illegible] پسند [illegible]
کی طرح نظر آئیں اس کا مقابلہ اس وقت سے کیجئے جو ڈاکٹر [illegible] نے فلوبیر کو اس
[illegible] [illegible] [illegible] پر لگایا ہے تو یہ خالی از دلچسپی نہ ہو گا۔

اور ہاں، ایک آخری بات اور سہی، پورا اطمینان کر لینے کے لیے فلوبیر کے بارے میں
ہماری قدیم ترین مستحکم معلومات کا ماخذ [illegible] (Maxime du Champ) کی کتاب
"[illegible]" (Souvenirs littéraires) (مطبوعہ پیرس، بابت ۱۸۸۲ء) کی دو جلدیں
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اور [illegible]
ہونے کے باوجود تاریخی طور پر [illegible] پہلی جلد [illegible] [illegible] سے
۱۸۹۳ میں شائع کی [illegible] (۱) کے صفحہ ۲۰۶ پر داستان اس عورت
کا بڑی تفصیل سے ذکر کرتا ہے جس پر ایما کے کردار کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ یہ عورت داستان
کے بیان کے مطابق [illegible] Rouen کے [illegible] (Bon-Secours) کے ایک میڈیکل
افسر کی دوسری بیوی تھی:

یہ دوسری بیوی خوب صورت نہیں تھی؛ کوتاہ قد اور پھیکے سے زرد بالوں والی تھی
اور اس کا چہرہ چھائیوں سے اٹا پڑا تھا۔ یہ شیخی مارنے کی عادی تھی؛ اپنے شوہر کو

حقیر گردانتی تھی کیونکہ وہ اس کے خیال میں بیوقوف تھے۔ یہ ایک گول مٹول اور گیہنی رنگ کی عورت تھی، اس کی چھوٹی چھوٹی بانہوں پر خوب گوشت چڑھا ہوا تھا، اور اس کی چال میں عام وضع قطع میں اسی ایک اور لچکدار حرکت کا احساس ہوتا تھا جو بالم سنبھالنے کا خاصہ ہے۔ اس کی آواز اس کے دیہی نارمنڈی کے مخصوص لہجے کی ملاوٹ ہی کی وجہ سے ملائمت اور ملاطفت سے چھلکتی رہتی تھی، اور اس کی آنکھوں میں، جن کے رنگ کے بارے میں یقین سے کہنا مشکل ہے کہ سبز، سرمئی، یا نیلی، اس کا انحصار روشنی کے انعکاس پر تھا — ہمیشہ ہی ایک مدھم مسکراہٹ کا تاثر ہوا کرتا تھا۔

ڈاکٹر سٹارکی اس وضاحتی پارے کے وجود سے بڑے پرسکون طور پر مطمئن معلوم ہوتے ہیں۔ القصہ یہ ایک طرح کی مشکلات اختصاص ہے اور وہ بھی ایک ایسے ادیب کے حق میں جس نے یہ اس طور و یہ اس طور اس کو بہت سے کیسی کے بل ادا کیے ہیں۔ اگر سچ پوچھیں تو میں اس قسم کی باتیں محض سمجھ سنجیدہ چوتھ یا کر جیتی ہیں۔ اب آپ کو معلوم ہو گیا نا کہ مجھے نقادوں سے کیوں نفرت ہے؟ میں سوچ تو بیان کرنے کی کوشش کر سکتا ہوں جو میں سمجھتا میری آنکھوں میں تیر رہا تھا لیکن وہ ساری طرح کے کچھ زیادہ ہی بدرنگ ہو چلی ہیں۔

(ناول "فلوبیر کا طوطا" کا چھٹا باب)

انگریزی سے ترجمہ: محمد عمر میمن

انتساب

مظہر علی سید کے نام

(مترجم)

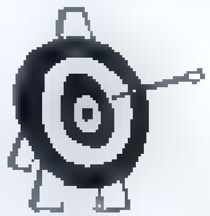

جولین بارنز **(Julian Barnes)**

۱۹۴۶ میں لیسٹر، انگلستان میں پیدا ہوئے۔ لندن اور آکسفورڈ میں تعلیم پائی۔ انگریزی کی جدید ناول نگاری میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ Flaubert's Parrot جس کے ایک باب کا ترجمہ اس شمارے میں شامل ہے ان کا تیسرا ناول تھا۔ پچھلے برس ان کا ایک اور ناول A History of the World in 10-1/2 Chapters شائع ہوا۔

فاروق خالد

اپنی دعاؤں کے اسیر ۔ ۲

وہاں کی رحمی ایسے درختوں کے سائے سرسنگھتی تھی۔ پودے اس مہک بھری فضا میں ڈالتے ہیں بھربھرے اور پھول کی جڑوں میں بڑے سکتے ایک دوسرے سے ہم آغوش ہوئے ماحول میں ایک ایسی حسن کی تازگی تھی جو اردگرد کی ہر شے کے لیے حیات افروز تھی۔ مشتہی کوئیلی بھری بھری کلثوم اس کی بیٹی نازو تھی میں سبینہ اور بعد میں ساجی کے ساتھ چند دنوں کے لیے وہاں گئی تھی۔ وہ ایسے ڈاک بنگلے سے کچھ دور سیر کرتی ہوئی ایک طرف کو جا رہی تھیں۔ وہ قدرے دشوار مہک بھری جہاں سرسبز کی جھاڑیاں اور گھاس پھوس اُگی ہوئی تھی۔ اس کھائی سے اترنے کے بعد وہ ایک ہموار قطعہ زمین پر چادر بچھا کر بیٹھ گئیں۔ سبینہ نے ساجی کا ایک ہاتھ اپنے زانو پر رکھا اور اپنی انگلیاں ہاتھ سے اسے سہلانے لگی۔ ساجی ایک ہی ساعت میں اپنی آنکھیں کبھی رکھی کبھی کھولتی رہی اور مشغول رہی۔ پھر اس میں مگن رہیں اور کلثوم کو لے کر ان سے دور چلا گیا۔ سبینہ اور ساجی ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگیں۔ اچانک سبینہ کو ایک گلہری دکھائی دی جو ایک درخت کے نیچے بیٹھی تھی۔ وہ اسے پکڑنے کو دوڑی تو گلہری کچھ فاصلے پر ایک پودے کی اوٹ میں چھپ گئی۔ اس نے اسے دوبارہ پکڑنا چاہا مگر وہ کہیں جا کر اسے دیکھنے لگی۔ اب پھر ہر اور یوں سبینہ ساجی سے دور ہوتی چلی گئی۔ ساجی نے اسے آواز دی اور تب وہ اندازے سے اس طرف چل دی جس طرف سبینہ گئی تھی۔ اس کی بےچینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے گھوم کر سبینہ، کلثوم، بشیر اور سب کو آوازیں دیں اور بھاگتی ہوئی درختوں سے ٹکرانے لگی اور بالآخر ایک جگہ پودوں میں الجھ کر گر پڑی۔

ساجی کو ہوش آیا تو اس کے اردگرد ہمیشہ کا اندھیرا تھا۔ اس نے ہونٹ کو "باجی! باجی!" پکارا اور بستر سے اٹھنا چاہا۔ وہ توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے گر گئی۔ اسے ہنسی کا قہقہہ روشن ہوا یا بچوں کی کلک سنائی دی۔ کوئی آہستگی سے چل رہا تھا۔

"آرو میری، آرام سے بیٹھ جاؤ" کسی مرد نے پیار سے کہا۔

ساجدہ نے جانا کہ کمرے میں، جہاں کبھی بھی وہ ہے، ریڈیو رکھا ہے جو کسی صوتی سنگیت کی مانند دھیرے دھیرے سلگ رہا ہے۔ ریڈیو کی سوئی کسی اسٹیشن پر ٹھیک سے نہیں تھی یا وہاں سے نشریات ختم ہو چکی تھیں۔ تب کچھ فاصلے سے کوئی بچہ بلبلا کر رونے لگا۔ اسی شخص کی آواز سنائی دی: "تم اسے باہر لے جاؤ اور اس کے لیے دودھ گرم کرو۔"

"ٹھیک ہے، ظفر صاحب!" کسی عورت نے کہا۔ "جب آپ کو میری ضرورت ہو تو مجھے بلا بھیجیے گا۔"

ظفر احمد اپنے دوست اعتبار علی اور اس کے نوعمر بچے کے ساتھ ہالینڈ کے شہر ایمسٹرڈم میں رہ رہا تھا۔ پہلے ان کے گھر علیحدہ علیحدہ تھے، مگر کچھ عرصہ قبل اعتبار کی بیوی کا انتقال ہو گیا تو ظفر نے بچے کی خاطر ان کے ساتھ رہنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ایک مدت بعد پاکستان آئے تھے۔ اعتبار دوبارہ شادی کرنے کی غرض سے، اور ظفر اپنے عزیز و اقارب سے ملنے کے لیے، جبکہ درپردہ اسے انگلستان میں مقیم اپنے ساتھی افتخار حمید کے لیے چند کام کرنے تھے۔ اس سلسلے میں وہ صوبہ سرحد میں ایک اہم معاملہ طے کرنے کے لیے روانہ ہونے لگا تھا تو اعتبار کے پوچھنے پر اس نے اسے صرف اتنا بتایا تھا کہ وہ سیر و تفریح کرنے جا رہا ہے۔ اعتبار نے، جس کی کچھ روز قبل دوسری شادی ہوئی تھی، کہا تھا کہ وہ بھی اپنی بیوی اور بچے کو گھماتا پھراتا اسی طرف آ نکلتا ہے۔ جب وہ وہاں پہنچے تھے، ظفر نے اپنا کام خوش اسلوبی سے سرانجام دیا تھا۔ ان کا ارادہ دوسرے روز واپس اپنے آبائی شہر جانے کا تھا کہ اعتبار کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ وہ اسے لے کر ایک قریبی ہسپتال گئے تھے، جہاں اسے کم از کم ایک روز کے لیے داخل کر لیا گیا تھا۔ اعتبار کی نوبیاہتا بیوی روشنی اور ظفر بچے کو لے کر قیام گاہ کو آ رہے تھے کہ انہیں ایک جگہ ساجدہ بے ہوش پڑی ملی تھی۔

"میں کون ہوں؟ میں کہاں ہوں؟" ساجدہ نے ڈرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "تم حفاظت میں ہو۔" ظفر نے جواب دیا۔ "ہم نے تمہیں ویرانے میں پڑا پایا تو اپنے ساتھ لے آئے۔ تم کون ہو اور کہاں کی رہنے والی ہو؟"

ساجدہ نے اپنا نام، اپنے شہر، گلی اور اسکول کا نام پتا بتا دیا، اور کہا کہ وہ اس علاقے میں اپنی امی اور بھائی کے ساتھ آئی تھی اور ان کے پاس جانا چاہتی ہے۔

"فکر نہ کرو، ہم تمہاری مدد کریں گے۔ میں، میرا دوست اور اس کی بیوی اور بچہ یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ یہ بتاؤ کیا تم بالکل نہیں دیکھ سکتیں؟"

"ہاں، میں اندھی ہوں اور اس جگہ کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی۔" اسے اپنے قریب روتے ہوئے بچے کی آواز ایک بار پھر سنائی دی، اور اسے یوں لگا کہ وہ ٹھوکر کھا کر گرا ہے۔ اسے اس کی سسکیاں اور ہلکی ہلکی جھنکیوں سے معلوم ہوا کہ آدمی نے اسے اپنے بازو میں اٹھا لیا ہے اور دھیرے دھیرے ٹہل رہا ہے۔ دفعتاً کہیں دودھ جلنے کی بو اٹھی اور اس کے ساتھ ان دونوں کے دور جانے اور دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔

ظفر بچے کو لے کر باورچی خانے میں آیا تو اس نے دیکھا کہ آگ پر برتن میں رکھا دودھ ابل کر باہر بہہ رہا ہے۔ اس نے جلدی سے برتن نیچے اتار کر دودھ کو کچھ ٹھنڈا کر کے فیڈر میں ڈالا۔ بوتل منہ سے لگتے ہی بچہ پرسکون ہو گیا۔ ظفر روشنی سے ملنے گیا تاکہ وہ بچے کو سنبھال لے اور یہ واپس ساجدہ کے پاس جائے۔ روشنی سونے کے کمرے میں تھی جس کا دروازہ پوری طرح سے بند نہیں تھا۔ اس نے دیکھا کہ وہ اپنی قمیص اتارے شانوں تک ننگی کھڑی ہے اور شانوں سے ہی چھاتیاں ابھری ہوئی ہیں اور اپنے سر کو جھکائے ہوئے اپنی پیٹھ کو جھٹک رہی ہے۔ موٹی لمبی ... گرہ ... اس کی پشت، جو سیاہی مائل جلد ... گرد گہری رنگت کے گول دھبے ہیں ... کہیں کہیں سے زخمی ... کرسی پر نیم دراز ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ... فرش کی ... تھے اور وہ بلاحرکت پڑی تھی۔ ظفر نے سوچا شاید سو گئی ہے۔ وہ کچھ دیر اسے یونہی دیکھتا رہا اور پھر بچے کی سانس ... ہاتھ پاس ... نظروں سے دیکھنے لگی۔ ظفر اسے بچے کا خیال رکھنے کو کہہ کر ... کمرے سے باہر چلا گیا۔ اس کی واپسی جلد ہوئی۔ ... اپنے دونوں ہاتھوں سے گلے کا ... جھکی ہوئی ... فرش پر ... گہری سانس لے کر اس پر بیٹھ گئی۔

"پچھلے دو روز سے میں اسے سیڑھیوں کے قریب والی الماری میں دیکھ رہی ہوں۔" روشنی نے کہا۔ "میں نے ابھی ابھی سوچا کہ معلوم کرنا چاہیے اس میں کیا ہے؟"

"یہ تمہارا نہیں ہے۔ تمہیں اسے کھولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"اسے تو میں ضرور کھولوں گی، مگر سیڑھیوں کے نیچے کوٹھڑی میں میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس نے مجھے حیرت زدہ کر دیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"وہاں ایک پنگوڑا پڑا ہے اور میرا خیال ہے اس میں کوئی سو رہا ہے۔ کیا وہ اعتبار کا دوسرا بچہ ہے؟ یا کوئی اسی اندھی لڑکی کے لیے چھوڑ گیا ہے؟"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں جا کر دیکھتا ہوں۔" ظفر یہ کہتا ہوا کمرے سے باہر نکلا۔

"وہ اندھی لڑکی کون ہے؟" روشنی نے اس کے پیچھے چلتے ہوئے پوچھا۔ ظفر نے جواب نہ دیا۔ وہ اس کے ساتھ کوٹھڑی کے سامنے پہنچا جس کا دروازہ بھی چھوٹا تھا۔ اس نے اسے کھولا ہو ... کے ساتھ کیل سے لٹکی لالٹین کی مدھم روشنی میں لکڑیوں کا ڈھیر دکھائی دیا ... پنگوڑے میں کوئی ... دفعتاً کمبل میں جنبش ہوئی اور قدرے سفید مگر زیادہ تر سیاہ داڑھی کا ایک بوڑھا انہیں اپنے سامنے بیٹھا دکھائی دیا۔ اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ ہو گی، مگر قد ڈھائی فٹ سے زیادہ نہیں ہو گا۔ ... ایک گندی سفید ... اور ... اور گہرے نیلے رنگ کی ایک حاشیہ دار دستار ... رکھی تھی۔ وہ پنگوڑے سے باہر کودا اور ان

کے پاس آکے بیٹھ کے بولا "جناب، میرا نام عبدالرّحمٰن ہے اور میں اس عمارت کی دیکھ بھال کرتا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ لوگ یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ مگر میں کچھ دیر پہلے سفر سے تھکا ہارا لوٹا تھا اور رات بھی ہو رہی تھی اس لیے میں نے سوچا صبح ہی آپ سے ملاقات ہو گی۔"

"جس آدمی نے ہمیں یہ جگہ دی ہے اس نے ہمیں تمہارے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔" ظفر نے کہا۔

"وہ اکثر یہ غلطی کر جاتا ہے … میں اسی کے ایک کام سے دوسرے گاؤں گیا تھا۔ سارے دن پیدل چلنے سے میرے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے۔ میرے لائق خدمت ہو تو بتائیں؟"

"نہیں، شکریہ عبدالرّحمٰن۔ تم جاؤ۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے تمہیں بیدار کیا۔"

"جناب ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اب تو میں اٹھ ہی گیا ہوں۔ آپ کہیں تو آپ کے لیے چائے بناؤں؟"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہمیں طلب ہوئی تو ہم خود بنا لیں گے۔ تم بےفکر ہو کر سو جاؤ۔"

ظفر روشی کے ساتھ واپس ہوا۔ اس نے اس سے پوچھا "کیا تمہیں کہیں ایسا نہیں لگا؟ ممکن ہے وہ … کا ہو؟"

"جب وہ یہاں نہیں تھا تب بھی … اس جگہ موجود تھا۔"

"یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ اس کا … ہو سکتا ہے۔ اندھی لڑکی کے پاس چلتا ہوں، بےچاری پریشان ہو رہی ہو گی۔"

جب ساجدہ کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ دیوار کو چھوتی ہوئی آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ بلاشبہ وہ دروازے کی تلاش میں تھی۔

"ساجدہ!" ظفر نے اسے آواز دی۔ "کیا آج کی رات تم یہاں بسر کر سکتی ہو؟ باہر بہت اندھیرا ہے۔ صبح ہم تمہارے بھائیوں کو تلاش کریں گے۔"

"میرے لیے کیا اندھیرا اور کیا سویرا؟ کون جانے دن کیسا ہوتا ہے اور رات کیسی؟" وہ … سکی۔

ظفر کوئی بات کرتا، یا لمحات کو … اس سے پہلے روشی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں … بھرا … والا … تھا۔ اس نے ظفر سے کہا … ہے اور یہ لڑکی یہاں کیا کر رہی ہے؟"

"تمہیں اس کے متعلق فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔" ظفر نے جواب دیا۔ "ہمیں اور باقی … تمہاری بھی ضرورت ہیں۔ تمہیں الماری اور قبا کھولنے کو کس نے کہا تھا؟"

بخاری کھلنے میں دیر نہیں لگی تھی مگر عورت ہنگ جھپکنے سے پہلے وہاں پہنچ گئی اور بوڑھے آدمی کے جسم کو ساکت کر کے واپس چلی گئی۔ ڈاکٹر نے مریض کو دیکھ میں سے دو … سے منع کیا اور اس کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ عورت … اندر داخل ہوئی اور … کے … شوہر کو … دیکھ کر بولی "اس وقت … مجھے … چھوڑ دو۔ مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔" … جاہے تھم کہ مرد نے … بازوؤں میں لے لیا اور اردگرد سے بےنیاز ہو کر … بستر پر … کی کوشش کی۔

"چھوڑ دو مجھے، چھوڑ دو۔" عورت چلائی اور … اس کی گرفت سے نکل جانا چاہا۔ "میری بات تو سنو۔" مرد بولا۔ "یوں بلاوجہ خفا مت کرو۔ تمہارے بھائی نے مجھ سے کیوں کہا تھا کہ … میرے لیے محض جسمانی حسن و … کی … ہے اور … میرے بالوں کے گھنگر … مختلف … کہاں جاتی ہوں … لوگوں سے ملتا ہوں اور اپنے پیشہ … کی طرف توجہ دینے کی بجائے … کاروبار … ہوں۔ … زندگی میں … کا کام ختم کرنے والا … اس سے علیحدہ ہوا اور اس … سے تنگ آ کر اس نے … سگریٹ کو … میں پھینک دیا اور کھڑکی کھولنے پر اسے یاد آیا کہ دراصل وہ اس کی شلوار کھولنا چاہتا تھا۔

روشی اپنے پہلے شوہر کے بارے میں سوچ رہی تھی جو اس کی پیشانی پر بال … کی … کیا کرتا تھا … شروع ہوئی تھی مگر وہ … جیسی … پہلے وہ … پر لکڑی کی … بھرے ہوئے … جس سے … اور … ہوتا تھا اور … کے بعد … کی … میں … کے شوہر نے کھڑکی کے پٹ کھول کر … کی پیک باہر پھینکی تھی … کو بیمار ہو گئی تھی … کمرے میں … جس کے دو … خود اس کے … تھے … بالوں کے لیے … جاتی … کر … تھی … چاردیواری میں … کے … کمرے میں چھوڑ کر واپس … ظفر نے اس کا نام … آنے والا … اور بولا "ممکن ہے یہ … اور … عبدالرّحمٰن کی … ہو۔ تم … میں بند کر کے … رکھ … نہیں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کام میں خود کروں گا۔" عبدالرّحمٰن کی … روشنی سے وہ چونک پڑے۔ وہ روشی کے پیچھے اپنے ہاتھ … میں … کندھوں میں … کھڑا تھا۔ اس وقت وہ … اور … نہیں تھا، بلکہ ایک کمرے … کا کوٹ … کسی طالب علم کے … کا … تھا اور جس کے کالر کے پاس والی جیب پر … کا

سپاٹ مشابہ تھا۔ اس کے جسم پر شعلہ شعلہ اور گوشت کا کام دے رہا تھا۔ اس کے بازو ہڈیوں سے ہموار تھے اور گوشت کی مہین ٹانگوں کے نچلے حصے پر بھی ماس نام کی کوئی شے موجود نہیں تھی۔ اس کی داڑھی کے بالوں میں پیتل جیسی دھات کی دو مندریاں پھنسی تھیں۔ اس کا جسم یقیناً مسخروں جیسا تھا، مگر اس وقت وہ بلا کا سنجیدہ تھا۔ اس نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے انہیں دیکھا اور بولا "میرا تمہارے، کریم، صبح یہاں لگ گا۔ لہٰذا اس کے ایک دوست کا ہے میں اسے اٹھا کر واپس لے جاتا ہوں۔"

اس نے سائیکل کے دونوں جیب روشن ہے اور انہیں صندوقوں کی طرح اپنی بغلوں تلے داب کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ روشنی بھی وہاں سے چل دی۔ ساجھی بستر پر آنکھیں بند کیے بیٹھ چکی تھی۔ ظفر نے روشنی گل کی اور دروازہ بند کر کے باہر آ گیا۔ وہ ابھی کمرے سے دو قدم ہی ہٹا تھا کہ اسے سیڑھیوں کی طرف سے عجیب سی سرسراہٹ سنائی دی۔ اس کے قدم خودبخود ہی اس جانب اٹھ گئے۔ اندر سے جیسے پنگوڑے کے جھولنے کی بہت ہی دھیمی آواز آ رہی تھی۔ ظفر نے سوچا کہ ممکن ہے یہ ہوا کے سنسنی لہر کی آواز ہو۔ اس نے اپنا کان دروازے سے لگا دیا۔ چرچراہٹ اس نے سنی تو ایک لطف خاموشی چھا گئی گویا اس کی اس حرکت اور آواز کے رکنے میں کوئی میکانکی ربط پایا جاتا ہو۔ وہ واپس جانے کو تھا کہ بونا دو تین مرتبہ کھانسا اور اس نے کسی کو ناشتہ کر رہے ہونے کو کہا۔ ظفر دم بخود رہ گیا۔ اس نے مذبذب کی حالت میں دستک دی اور بولا۔

"عبدالرحمٰن کیا تم سو گئے ہو؟"

"نہیں جناب میں جاگ رہا ہوں۔" بونا دھم سے فرش پر کودا اور دروازہ کھول کر اس کے سامنے موجود ہو۔ وہ وہی میلا گوشت پہنے ہوئے تھا اور اس کی داڑھی پر اب بھی مندریاں سجی ہوئی تھیں۔ کوٹھری میں کوئی اور فرد موجود نہیں تھا۔

"عبدالرحمٰن میں نے تمہیں تکلیف دی۔" ظفر نے کہا۔

"کیسی تکلیف، جناب؟" وہ نیم تاریک ماحول میں مسکراتے ہوئے بولا۔ "مجھے بتائیں، میں آپ کی کیا خدمت کروں؟"

"تم کسی سے باتیں کر رہے تھے۔ میرا خیال ہے میں نے تمہیں یقیناً بے آرام کیا ہے۔"

"بالکل نہیں جناب،" عبدالرحمٰن اپنا سر منفی انداز میں ہلاتے ہوئے بولا۔ "نامانوس جگہ کی وجہ سے شاید آپ کو نیند نہ آ رہی ہو۔ یہ شکایت اکثر لوگوں کو ہے۔"

"یہ وجہ نہیں ہے،" ظفر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "مجھے تمہاری کوٹھری سے ہلکی ہلکی سرسراہٹ سنائی دی تھی۔ اور تم باتیں کس سے کر رہے تھے؟"

"اوہ جناب، آپ اسے نہیں جانتے۔" اس نے پنگوڑے کے پیچھے سے ایک سیاہ بلی کو اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور بولا، "کبھی کبھی یہ ایسی حرکت کرتی ہے۔ مگر یہ بہت اچھی ہے۔ بلکہ یہ مجھے اپنی بیوی کی طرح عزیز ہے۔" اس کے چھوٹے وجود کے ساتھ بلی اپنی اصلی جسامت سے بڑی دکھائی دی۔

"کیا یہ تمہارے ساتھ رہتی ہے؟" ظفر نے اس سے پوچھا۔

"جناب یہ جنگلی بلی تھی، مگر میں نے اسے سدھا لیا ہے۔ اب تو یہ میرے بہت کام آتی ہے۔ اس جگہ چوہوں اور کیڑے مکوڑوں کی بہتات ہے۔ جب سے یہ آئی ہے ان کا نام و نشان نہیں رہا۔ حضور، آپ باہر کیوں کھڑے ہیں؟ اگر آپ پسند فرمائیں تو اندر آ جائیں۔ میں آپ کے بیٹھنے کے لیے ابھی جگہ بناتا ہوں۔"

عبدالرحمٰن نے بلی کو فرش پر چھوڑا اور کوٹھری میں ایک طرف رکھی ہوئی سٹول پر سے ایک چھوٹی سی گٹھڑی اٹھانے لگا۔ ظفر انکار کرتا رہا، مگر وہ سب آناً فاناً ترتیب دے کر خود پنگوڑے میں گھس گیا۔

"تم اس میں سوتے ہو؟" ظفر نے اسٹول پر بیٹھتے ہوئے پنگوڑے کی طرف اشارہ کیا۔

"میں خود کو یہاں بہت آرام سے پاتا ہوں۔ جب میں چھوٹا تھا تو میرا باپ اسے میرے لیے لایا تھا۔ میں جتنا بھی بڑا ہوا تو بھی مجھے چارپائی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ ویسے بھی میں زیادہ بڑا نہیں ہوں۔ اب تو یوں لگتا ہے جیسے میرا جسم اور یہ زندگی بھر ساتھ رہیں گے۔ عرصہ ہوا میرے ماں باپ فوت ہو گئے، مگر ان کی نشانی اب بھی میرے استعمال میں ہے۔ اور اس سے میری بہت یادیں وابستہ ہیں۔ چند برس قبل میرا بالائی پنسلی سے مجھے عروج آ گیا ہے۔ مجھے اس تکلیف سے نجات ملی ہے۔ اب آپ کو کیا بتاؤں کہ اس پر لیٹ کے مجھے جتنا آرام ملتا ہے اتنا ڈرائنگ روم اور خوراک سے نہیں۔ اور وہاں ..."

"میں کہنا چاہوں گا کہ پنگوڑے میں تمہارا وجود عجیب سا لگتا ہے۔ تمہارے چھوٹے رہنے کی وجہ یہ تو نہیں ہے کہ تم ہمیشہ اسی میں رہتے آئے ہو؟ ایسے ہی جیسے ایک خاص قسم کا محل وقوع لوگوں پر اثر کرتا ہے۔"

"جناب، آپ میرا مذاق نہ اڑائیں۔" عبدالرحمٰن نے درخواستی لہجے میں کہا۔ "میں چھوٹا ضرور ہوں، مگر بڑا باہمت ہوں۔"

"میرا مقصد تمہاری دل آزاری نہیں تھا۔ میں نے ایک توجیہ پیش کی تھی۔ بہت ممکن ہے میں غلطی پر ہوں۔ ویسے قد کاٹھ کوئی خاص معنی نہیں رکھتا۔ تم نے ٹھیک کہا تھا کہ اصل چیز تو ہمت ہے۔"

"میں آپ کو اپنی ہمت کا ایک واقعہ سناتا ہوں،" وہ جم کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ میں کتنا جرات مند اور کارآمد شخص ہوں۔ پچھلی سردیوں کا ذکر ہے کہ ..."

"عبدالرحمٰن، مجھے تمہاری صلاحیتوں پر شک نہیں ہے۔ میں نے ایک بات کی تھی جس کا تم نے غلط مطلب لے لیا۔ بہرحال میں جاننا چاہوں گا کہ تمہارے چہرے پر یہ مندریاں سی کیا ہیں؟ دیکھو، تم میری اس بات سے بھی ناراض نہ ہو جانا۔"

"جناب، یہ میرا شوق ہے۔"

"میں یورپ میں رہتا ہوں۔ وہاں میں نے مردوں کو اپنے کانوں اور ناکوں میں چھلے اور مندریاں پہنے دیکھا ہے۔ مگر داڑھی میں پھنسی مندریاں؟"

"جہاں یہ مندریوں کی کانوں اور ناکوں میں بھی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر

[illegible]

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں، تمہاری عمر کیا ہے؟"

"میں سینتالیس برس کا ہوں۔ [illegible]"

[illegible]

"جناب، کچھ عرصہ ہوا وہ آدمی [illegible]

[illegible]

"عبدالرحمن، میں اب جاتا ہوں۔" ظفر اس کی پوری بات سنے بغیر ہی کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا [illegible] نکل گیا۔

باہر ہو کا عالم تھا۔ رات کے اس سمے پہاڑوں پر پھیلے جنگل میں اس قدر خاموشی تھی [illegible]

[illegible]

"اب ہم کہاں جائیں؟" بشیر نے ظفر سے پوچھا۔ "آپ کو علم نہیں ہے کہ وہ کہاں ہو گی؟"

"بالکل نہیں۔ میں خود کافی دیر سے اس کی تلاش میں ہوں۔"

وہ چلتے چلتے کافی دور نکل آئے [illegible]

دکھائی دے جاتے تھے۔ مگر اب چاروں سو مکمل سناٹا تھا۔ اس ماحول میں درخت، زمین اور ہر منظر کا وجود ابھر رہا تھا جیسے پس منظر سے دکھائی دینے لگے۔ کچھ دیر بعد وہ ایک کچے راستے پر چلنے لگے جو اونچے اونچے درختوں کے بیچ میں سے ایک ڈھلوان کی صورت میں نیچے جاتا تھا۔ وہ یہاں سے گزر کر درختوں کے جھنڈ سے باہر نکلے تو انہیں اپنے سامنے وسیع و عریض پہاڑی و دیگر دکھائی دیا جس کے وسط میں ایک جگہ بڑا الاؤ روشن تھا۔ وہ ساکت و جامد کھڑے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً بشیر نیچے کو بھاگا۔ ظفر اس کے پیچھے گیا۔ نیچے پہنچ کر انہوں نے ایک چھوٹے سے ٹیلے کی اوٹ لے لی اور اندھیرے کو چیرتے الاؤ کی روشنی میں ان لوگوں کو دیکھنے لگے جو اس کے گرد جمع تھے۔ کچھ کو ابھی بھی جسم کی قوت میسر تھی اور کچھ شعلوں ان کی مدد کر رہی تھی۔ روشنی جنگ میں ان سے زیادہ دور نہیں تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر لگے چند درخت چاروں سمت سے آگ کی لپیٹ میں چوٹیوں تک دھڑ دھڑ جل رہے ہیں اور ان کے گرد لوگ رقص کر رہے ہیں اور ڈھول بجا رہے ہیں۔ ڈھول کی آواز بیرک میں بھڑک شروع ہو گئی اور سارا ماحول اس جگہ پہنچ کر مدہم ہو کر رہنے پر مجبور ہو گیا۔ ان کے سامنے چند درختوں سے اٹھنے والی آگ کے شعلے گویا آسمان کو جلانے کی کوشش میں تھے۔ اس کے قریب ہی بیس تیس مرد و زن موجود ہو کر ناچنے اور گانے بجانے میں مصروف تھے۔ ساجھی ان میں شامل نہیں تھی اور وہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ ناچنے والے وہ لوگ ایک دائرے میں گھومتے اور شعلے نما ہو کر جسم کی حرکت میں لپٹے ہوئے دکھائی دیتے۔ اس منظر کی ہیبت اور شدت میں وہ ایک اور چمک بھی دیکھ رہے تھے کہ جس سے زیادہ بڑا کچھ نہیں۔ ان کا ہر حرکت پذیر وجود گویا ناساز کی گردش میں مدغم ہو رہا تھا۔ گروہ کے دوسرے لوگ اس کے گرد کھڑے ناچنے والوں کا اشتیاق سے دیکھ رہے تھے۔ ان کا نعرہ جوش و جذبہ قابل دید تھا۔ سب جادوئی منظر میں جکڑے ہوئے تھے۔ الاؤ کے درخت جلتے ہوئے جھاڑیوں کی مشعلوں کی طرح چمک رہے تھے۔ لگتا تھا جیسے سوں سوں کی بھڑکتی شاخ سے کوئی حصہ اور ساتھ نیچے گرتا ہو۔ دھوئیں کی بھاپ اور ہیبت ناک منظر نے ظفر اور بشیر کو سارے خیالات کو روک کر اپنی جگہ جما دیا تھا۔ ساجھی کا رقص تھم رہا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے ساتھ موجود سب ہوش کے عالم میں تھے یا نہیں۔ ایک ایسی علامتی تخلیق تھی جس کی کوئی خالق نہ ہو۔ ناگاہ قدرت کی سرزمین شروع ہوئے اور درخت شعلوں میں بدلنے لگے۔ لوگ بارش میں وہاں سے غائب ہو رہے تھے۔ کوئی بھی کسی کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ یہ لوگ کہاں جاتے ہیں؟

تب وہ سب ظفر اور بشیر کہاں جا رہے ہیں؟ ظفر اور بشیر نے جا کر ساجھی کو تھام لیا۔ اس کا جسم ٹھنڈا پڑ رہا تھا اور وہ مدہوش تھی۔ کچھ دیر بعد وہ پیدل چلتے رہے اور پھر انہیں ایک ڈاک بنگلہ ملا۔ اس سے پہلے صبح ہونے والی تھی۔ اس ویران دشت میں پرندوں اور ہوا کا عجیب رقص تھا۔ بشیر نے ظفر کو اس جگہ کے بارے میں بتایا جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے اور اس سے پھر وہاں ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ ظفر نے آنے کا وعدہ کیا۔ وہ ان سے جدا ہوا تو اس کے عجیب احساسات تھے۔ وہ رہ رہ کر ساجھی کا خیال آتا تھا۔ اس نے اپنا تاج کہاں سے سیکھا تھا؟ پرندے اور کیسے سیکھتے ہیں؟ مجھلی پانی میں تیرنا کیسے سیکھتی ہے؟ یہ سب

سوال کا جواب مل گیا۔ ساجھی اور اس سے وابستہ سب کچھ ایک ہی حقیقت تھی۔

ظفر جب اپنی قیام گاہ پر پہنچا تو تھکن سے چور تھا۔ وہ اپنے کمرے میں گیا اور بستر پر جا گرا۔ اسے نیند کی آغوش میں جانے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ رات سونے سے پہلے روشنی اور اسرار کا وہ منظر اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اس نے سوچا وہ اسے لے کر ہسپتال گئی ہو گی۔ وہ بشیر سے ملنے روانہ ہو گیا۔

بشیر اسے نشست گاہ میں لے گیا۔ اسے بیٹھنے کو کہا اور چائے پیش کی اور یہ کہتے ہوئے کہ وہ ابھی واپس آتا ہے، کمرے سے باہر چلا گیا۔ ظفر کو یہاں بیٹھے چند منٹ گزرے ہوں گے کہ میڈا اپنے ہاتھ میں چائےدانی اٹھائے اندر داخل ہوئی۔ اس نے سامنے پڑی میز پر رکھ دیا اور واپس چلی گئی۔ ظفر اس کے متعلق سوچ رہا تھا کہ وہ دوبارہ دکھائی دی۔ اس دفعہ اس کے ہاتھ میں پلاسٹک کی ایک ٹوکری تھی۔ اس نے اس میں سے چائے کے کپ اور پرچیں نکال کر چائےدانی کے قریب قرینے سے رکھ دیں اور ظفر کو ایک عجیب غور سے دیکھنے لگی۔ اس کی نظروں میں نہ جانے کیا ترحم تھا اور کیا جاننے کی خواہش۔ ظفر نہیں کچھ بھی سمجھ نہ پایا تھا کہ وہ جھجک سے چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد بشیر اندر داخل ہوا۔ اس نے اس کو اور اپنے لیے چائے انڈیلی۔

"ساجھی کا کیا حال ہے؟" ظفر نے اس سے پوچھا۔

"وہ ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ابھی تک سو رہی ہے۔"

"اسے کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟"

"کیسی چوٹ؟" بشیر نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے کہ میں ایسے ہی شبہے میں مبتلا ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا وہ کہیں گر نہ پڑی ہو۔"

"میں اسے بحفاظت یہاں لے آیا تھا۔ اپنی ممی سے مل کر وہ بہت خوش ہوئی۔"

"کیا وہ لڑکی جو ابھی یہاں تھی، جس کا ایک بازو نہیں ہے، ساجھی کی ممی ہے؟"

"ہاں، اس کا نام میڈا ہے۔ وہ بڑی اچھی اور سعادت مند بچی ہے۔ کیا آپ یہیں کہیں رہتے ہیں؟"

"جی نہیں، میں ہالینڈ میں رہتا ہوں اور انڈونیشیا سفر کی ایک فرم میں ملازم ہوں۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ شادی سے پہلے آپ کی ہونے والی بیوی آپ کے رشتہ داروں میں تھی؟"

"اس وقت میرا کوئی رشتہ دار نہیں تھا۔" بشیر نے اپنے قلب و جگر کی گہرائی میں کہیں مرخ کر جواب دیا۔ "تب میں کسی کو بھی نہ جان سکتا تھا۔ اب یہی میرے رشتہ دار ہیں۔ یہ میرے ساتھی اور ایک سوتیلا بھائی جو امریکا میں ہے۔" بشیر کے ادا کرنے کا انداز رقت انگیز تھا۔ اس کے لب و لہجے سے مزہ اس طرح ٹپکتا ہوا محسوس ہوا جیسے تازہ زخموں سے خون۔

ظفر کو ماضی کا خیال آیا جس سے وہ انتظار کی گھڑی پر مل چکا تھا اور اسے واپسی

شہر جا کر اس سے دوبارہ ملاقات کریں تھی۔ فوزیہ نے اسے بتایا تھا کہ اس کا ایک بیٹا ایک زرعی فارم پر کام کرتا ہے اور دوسرا امریکا میں رہائش پذیر ہے۔ ظفر نے بشیر سے اس کے باپ کا نام پتا پوچھا اور فوزیہ کے بارے میں جان کر اسے حیرت ہوئی۔

"کیا آپ انہیں جانتے ہیں؟" بشیر نے اس کے تاثرات بھانپتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں۔ میں ان کے لیے اپنے ایک دوست افتخار حمید کا ایک پیغام لے کر آیا تھا۔"

"افتخار کا میرے والد صاحب سے کیا تعلق ہے؟" بشیر نے اس سے پوچھا۔

"میں ان کے باہمی تعلق کی حقیقت نہیں جانتا۔ جو کچھ اس نے مجھے ان کے لیے کہا تھا وہ میں نے انہیں سنا دیا۔ آپ جانتے ہیں کہ اس ملک اور اس میں بسنے والے بیشتر لوگوں پر ایک ناپسندیدہ تقدیر مسلط کی جاتی رہی ہے اور موجودہ دور میں تو ناانصافی کی انتہا ہو گئی ہے۔"

بشیر کو خاموش پاکر ظفر پھر بولا۔ "میری بات غور سے سنیے! ہمیں آپس میں متحد ہونا ہے اور ان حملہ آوروں سے ٹکرانا ہے جو ہمارے دکھ درد کا باعث ہو رہے ہیں۔ ہمیں ان درندوں کو کھوجنا ہے اور اگر یہ ہمیں کچلنے کو ہیں تو ان کو اکھاڑ پھینکنا ہے، ورنہ ہم بند اور مسدود قفس میں دم گھٹ کر مر جائیں گے۔ میں آپ کو بتانا چاہوں گا کہ موجودہ حالات کو جیسے چاہیے قبول کریں کا مطلب یہی ہے [illegible]۔ ہم سے پرائے وطن کے حبشی غلاموں کا سا سلوک کیا جا رہا ہے۔ مذہب کے نام پر ہمارا استحصال ہو رہا ہے اور یہ ایسے لوگ کر رہے ہیں جن کی لوٹ مار [illegible] اور دوہری شخصیتیں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ میں یہاں بہت سے لوگوں سے ملا ہوں جن میں ڈاکٹر، استاد، طلبہ، دکاندار، مزدور، دفتروں میں کام کرنے والے اور بہت سے لوگ شامل ہیں۔ وہ موجودہ صورت حال سے بالکل مطمئن نہیں ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کھل کر اظہار خیال کیا تو مجھے ان کی سانسیں جلتی ہوئی محسوس ہوئیں۔"

"اس ملک میں گزشتہ چند برسوں میں جو تبدیلیاں آئی ہیں، میں ان سے کوئی خاص باخبر نہیں ہوں۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ کبھی کبھی میں سخت پریشان اور اداس ہو جاتا ہوں۔"

"وہ تبدیلیاں جو یہاں آئی اور جن سے آپ بے خبر نہیں ہیں، اگر وہ خوش آئند نہیں تو پھر ان کو بھی سمجھنے یا ان سے نمٹنے کی ضرورت ہے تھی۔ ہماری ناکامیوں یا کمزوریوں کی وجہ اور [illegible] کچھ بھی ہو یہ ہمیشہ تلخ اور ناخوشگوار ماحول میں ہماری چڑھتی ہوا اور انتشار کی [illegible] ہے۔"

"ایک دفعہ افتخار میرے والد صاحب کے ساتھ ہمارے گھر آیا تھا۔ اس نے مجھ سے زیادہ باتیں نہیں کی تھیں۔ میں جاننا چاہوں گا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔"

"وہ ذاتی طور پر کچھ نہیں چاہتا بلکہ ہمیں کچھ چاہنے اور کرنے کا احساس دلانے کا آرزومند ہے۔ چند روز بعد مجھے اور میرے دوست کو واپس یورپ جانا ہے مگر آپ لوگ، جن کا مسائل سے مسئلے کا اور براہ راست تعلق ہے، کیوں سوئے ہوئے بیٹھے ہیں؟"

وہ باتیں کر رہے تھے کہ عینا کمرے میں آئی اور اس نے ان سے پوچھا کہ کیا انہیں کسی

چیز کی ضرورت ہے۔ ظفر نے اسے بتایا کہ وہ پانی پینا چاہتا ہے، اور اس نے اسے شفقت سے دیکھا۔ عینا نے [illegible] کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ اس کے تاثرات میں وہی پہلے کی سی حیرت زدہ سوچ ثبت رہی جو اس کے چہرے کے خدوخال میں نمایاں دکھائی دیتی تھی۔ وہ باہر سے پانی کا گلاس لے آئی اور اسے ظفر کے سامنے میز پر رکھ کر تیزی سے واپس چلی گئی۔ [illegible] متوجہ کر رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے وہ بالکل ان حالات کو آنسوؤں میں گرفتہ کر بیٹھی گئی ہو۔ وہ کمرے سے باہر جا رہی تھی تو ظفر کو گمان گزرا کہ گویا وہ جھومتے ہوئے قدم اٹھاتی ہوئی گئی ہو۔ پانی پی چکنے کے بعد ظفر چپ رہا۔ اس کے خیالات عجیب طرح سے آپس میں گھل مل گئے تھے۔ اس نے گلاس میں سے چند گھونٹ اور پیے، اور بولا "ہمیں سستی اور کاہلی کے جالے اتار پھینکنے ہیں اور ایک نیا ماحول سامنے لانا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنے تضادات کا [illegible] اور سلامتی کو دوسروں کے آگے رہن رکھنے والوں کو سبق سکھائیں، اور انہیں ضرور ڈھونڈیں جو ہمارے مستقبل کو خطرے میں ڈالے ہوئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" بشیر نے پوچھا۔

"جناب، آپ اس ملک میں رہتے ہیں اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کیا ہو رہا ہے۔ بڑی طاقتوں کے آگے ہماری قسمت کی سلامی ہوتی ہے اور [illegible] ہمیں ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ہم ایسے ایک خوفناک دلدل میں دھنستے جا رہے ہیں اور ہمیں اس طرف لے جانے والے عیش و آرام کی زندگیاں بسر کر رہے ہیں۔ غیر ممالک میں [illegible] وقت [illegible] حفاظت کی ضمانتیں دے رکھی ہیں، مگر ہمیں ان کو نہیں پکڑنا ہے ان کے سارے راستے مسدود کر کے انہیں یہیں زندہ درگور کرنا ہے۔"

"میرا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے،" بشیر نے کہا۔ "میری خواہش ہے کہ سب لوگ خوشحال اور خوش و خرم رہیں۔"

"ہمارا بھی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور ہماری خواہش بھی آپ جیسی ہے۔ مگر اس کے لیے ہمیں کچھ کرنا ہو گا۔ لوگ ڈرے ہوئے ہیں۔ خوفزدہ ہیں اور ایک نامعلوم خوف کے باعث [illegible] ان کا ڈر، خوف اور کم گشتگی ان کے اذہان میں بیٹھ گیا ہے اور ان عناصر سے بھی شاید انہیں ایسے پیچھے آتی دکھائی دیتی ہے۔"

بشیر نے کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہلنا شروع کر دیا۔ کبھی اس کی آنکھیں بند ہوتیں اور کبھی ان سے تفکرات کی پرچھائیاں لرزتی دکھائی دیتیں۔ ظفر بھی اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔

"اگر ہم ڈرتے اور سہمے رہے تو ہماری قبروں پر بھی ذلت کے کتبے نصب ہوں گے، اور اغیار ہمارا ذکر ہنسی مذاق کے طور پر کیا کریں گے۔ ہمیں بےدھڑک ہو کر مقابلہ کرنا ہی سکت ہے۔ یہ ہماری باہمی بقا اور سلامتی کا سوال ہے۔"

بشیر نے ایک ہی سمت میں یکسوئی سے دیکھتے ہوئے آہستہ سے سر ہلایا۔ واضح نہیں تھا کہ اس نے اس کی باتیں سمجھی ہیں یا وہ اپنے خیالات میں گم ہے۔ ظفر نے اس سے کہا

Scanned with CamScanner

کہ وہ واپس جا رہا ہے۔ ممکن ہے اس کی اس سے پھر ملاقات ہو۔

ظفر اپنی قیام گاہ میں داخل ہوا تو اس نے سوچا وہ عبدالرحمن کو اپنے سامان وغیرہ کی [illegible] کا کہہ کر [illegible] اور [illegible] کے بچے کو اپنے ساتھ لے کر [illegible] سے ملنے [illegible]۔ اس نے عبدالرحمن کی کوٹھری پر دستک دینے پر کوئی جواب نہ [illegible] دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ کوٹھری کی [illegible] حالت [illegible] جیسے [illegible] کے جانے کے [illegible] پڑے تھے۔ وہ نشست گاہ میں آیا۔ وہاں [illegible] اپنے بچے کے ساتھ موجود تھا۔ اس کی طبیعت بہتر دکھائی دیتی تھی۔

"تم کب آئے ہو؟" ظفر نے اس سے پوچھا۔ "اب تو تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہے؟"

"میں چند گھنٹے قبل لوٹا ہوں اور خود کو بالکل تندرست پاتا ہوں۔"

"روشن کہاں ہے؟"

"وہ چلی گئی ہے۔" [illegible] کی آواز جذبات سے عاری تھی۔

"کیا؟" ظفر نے تعجب سے کہا۔

"میں کل صبح اسے اس کے والدین کے پاس چھوڑ کر آنا چاہتا تھا۔ مگر وہ خود ہی روانہ ہو گئی۔" [illegible] نے اس سے کہا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم نے اسے واپس بھیجنے کا فیصلہ کیوں کیا؟"

"یہ شادی ٹھیک نہیں [illegible]"

"میں اس جانور کو جانتا ہوں۔ اس کا نام عبدالرحمن ہے۔ [illegible] ... سے پہلے غائب ہو رہا تھا۔"

"کیا تم خود سے مل چکے ہو؟ تم نے مجھے بتایا نہیں؟"

"تمہیں [illegible] موقع ملا ہے۔" ظفر نے [illegible] ... "جو واقعہ [illegible] پیش آیا ہے، اگر یہ [illegible] بھی ہوا ہوتا تو بھی اسے اس بارے میں آگاہ کرنا تھا۔"

[illegible] مجھے اس کی اصلیت کا پتا چل گیا ورنہ وہ ہمارے ساتھ یورپ جا کر نہ جانے کیا گل کھلاتی۔"

"یہاں تو شادیوں پر بڑے بڑے کھیل، فراڈ اور [illegible] کا کچھ ہوتا ہے صرف اپنی عزت پر ہی انسانی لوگوں کی دست برد سے محفوظ رہتا ہے۔"

انہوں نے اگلے روز یہاں سے روانہ ہونے کا پروگرام بنایا اور اپنے اپنے کمروں میں جا کر سو گئے۔

وہ لاری میں سوار واپس شہر جا رہے تھے۔ [illegible] ... لاری کی سیٹ سے [illegible] ... سے باہر دیکھ رہا تھا۔ [illegible] لگے۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا:

"جناب جی، اب ولی دریافت ہوئی ہے وہ [illegible] دیتی ہے جس کا جواب نہیں ہے۔"

"سفر کا اصل ساتھی [illegible] ہے۔" دوسرے نے [illegible]۔ "لاری یا ریل گاڑی میں بیٹھے ہوئے چھوٹے بڑے گاؤں اور شہر پلک جھپکتے گزرتے ہیں۔"

"چھوڑیں جی، [illegible] بڑا [illegible] ہے۔"

"آپ کیسی باتیں کرتے ہیں! [illegible] ... اس علاقے میں آیا ہی اس کے لیے تھا۔"

پھر وہ [illegible] کی مختلف اقسام، روایت، اور اپنے خاندانوں میں شادیوں اور لڑائی جھگڑوں کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ ظفر [illegible] ... تھوڑی دیر بعد لاری رکی تو وہ اس کے قریب سے ہو کر نیچے اتر گئے۔ ان کے جانے کے بعد [illegible] والا ایک لڑکا اندر داخل ہوا [illegible] جسے دیکھتے ہی کنڈکٹر نے [illegible] "پچھلی دفعہ تم مجھے گندے انڈے دے گئے تھے۔"

"نہیں جناب۔"

"نہیں جناب کیا؟ تم مجھ سے دغا کرتے ہو۔"

"اچھا جی، معافی چاہتا ہوں۔"

کنڈکٹر جو دروازے میں اپنی ٹانگ اٹکائے راستہ روکے کھڑا تھا ایک طرف ہو گیا اور اس نے لڑکے کو اندر آنے دیا۔ اس کے پیچھے ایک بھکاری نے بھی اندر آنا چاہا۔ جسے کنڈکٹر نے پرے دھکیلتے ہوئے [illegible] اور دروازہ بند کر کے ڈرائیور کو دیکھتے ہوئے چیخ کر بولا "چلو جی۔"

[illegible] نے اپنی آنکھیں کھول دی تھیں۔ جبکہ اس کا بچہ [illegible] ... ظفر [illegible] ... کے قریب سیٹ پر بیٹھا کوئی مسافر انڈے بیچنے والے [illegible] اونچی آواز سے کہا، "اوئے، گرمیوں میں ابلے ہوئے انڈے بیچتے ہو؟"

ترکی کی پاس اس کا جواب نہیں تھا۔ وہ پلٹ کر بولا، "جناب، انڈے سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں سرد ہوتے ہیں۔"

اس پر لاری کے مختلف گوشوں سے ہلکی، دبی، کھسیانی اور کھانسی سے مشابہ ہنسی سنائی دی۔ لاری ایک مرتبہ پھر رک رہی تھی۔ انڈے بیچنے والا لڑکا نیچے اترنے کو تھا کہ کنڈکٹر نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ٹوکری سے دو انڈے اٹھا لیے اور ایک ڈرائیور کی طرف اچھالتے ہوئے بولا "میں سگریٹ لے کر آتا ہوں"

اس کی غیر موجودگی میں دو بھکاری جلدی سے لاری میں داخل ہوئے اور آہ و زاری کرتے ہوئے بھیک مانگنے لگے۔ ان میں سے ایک خواتین کے پاس کھڑا ہو جاتا اور اس وقت تک … اور گڑگڑاتا رہتا جب تک عورتیں یا ان کے مرد اسے کچھ دے نہ دیتیں، یا اسے جھڑک کر دور نہ کر دیتے۔ دوسرا بھکاری … سوٹ … اس کے جسم پر … رہی تھیں۔ … لوگ اسے بھیک جذبۂ ترحم یا خدا ترسی کی وجہ سے نہیں دیتے تھے، بلکہ اسے خود سے دور کرنے کی خاطر کچھ نہ کچھ اس کی جھولی میں ڈال دیتے تھے۔ کنڈکٹر سگریٹ کا پیکٹ لے واپس آیا تو بھکاریوں کی ہستی گم ہو گئی۔ ان کی آہ و زاری اور واویلا یک لخت تھم گیا اور وہ جلدی سے نیچے اترے۔ ان کے چہروں کے تاثرات بتاتے تھے جیسے وہ کنڈکٹر سے دھکا کھانے کی توقع رکھتے ہوں۔ مگر وہ اتنی جلدی میں تھے کہ اس نے انہیں چھوڑنا ٹھیک گوارا کیا۔ لاری چلی تو کنڈکٹر نے بیک وقت دو سگریٹ اپنے لبوں میں داب کر سلگائے اور … ڈرائیور کو دیتے ہوئے بولا "آپ … بھکاریوں کو کبھی اندر نہ آنے دیا کرو"

"وہ اندر آ جاتے ہیں تو میں … لاری … تو رہا" ڈرائیور یہ کہہ کر ہنس دیا۔

کنڈکٹر نئے آنے والے مسافروں کی طرف متوجہ ہوا اور انہیں ٹکٹ دینے لگا۔ وہ جگہ جہاں سے ظفر اور افتخار کو ریل گاڑی کے ذریعے سفر کرنا تھا آئی تو وہ بچوں کے ساتھ لاری سے اترے۔ ریل گاڑی انہیں لیے برق رفتاری سے ان کی منزل کی طرف رواں ہو گئی۔

عمریں سفر کرتے کرتے وہ ان میں سے ایک کی طوالت، حجم اور رفتار میں تبدیل … وہ … جانتی تھی کہ اس سے دور وقت اور فاصلے پر چلتی ریل گاڑی کے … ڈبے میں ایک … کی … اور … نے خودکشی کی تھی۔ … کی … حسن … کیوں اور کس سے … کو … چھپایا گیا تھا۔ اس کی گود میں … کے سامنے کھلی پڑی تھی۔ وہ اپنی عمر سے … نشست پر … ایک سفر میں … سفر پر … عمری میں … پہلا سفر … مختصر سا وقفہ … کی … میں … تھا جہاں کچھ عرصہ بعد اس کا باپ اسی راہ سے ایک نامعلوم مستقبل میں داخل ہوتے پہنچا تھا۔ یہ مستقبل … دور گرمیوں … سمت کا … کرتا تھا … اور … مرجھائے ہوئے پھولوں کی … موجود … کا پورٹا … کی خودکشی کرنے والی … اور کبھی زندہ … اس کی زندگی کی … سے … وہ دور … کے علاقے میں … کی … میں … کے کاروبار میں شریک ہونے پہنچا تھا … ایک ہونے کو

ایسے ماضی و حال کی کچھ … دے کر دو بھائیوں نے ساتھ ہر روز … لاکھوں کی فکر میں تھا اور اسے یہی علم نہیں تھا کہ جیسے بعض بندوں کی کچھ حصے مٹ جاتے اور ان میں چند خطوط کے شامل ہونے سے ان کی تعداد بدل جاتی ہے، ویسے ہی بعض لوگوں کی حالتوں میں کمی بیشی سے ان کی شخصیات بدل جاتی ہیں۔ لیکن وقت نہیں بدلتا، بلکہ مختلف زمانے اس میں منجمد رہتے ہیں۔ جیسے کہ … کے قریب ایک پرانے قبرستان میں … نے … چھوڑے ہیں۔ وہاں قبروں کے سنگی کتبوں کے الفاظ گردش شام و سحر کی مسلسل طوالت میں جھڑ کر کچھ یوں عجیب و غریب اشکال اختیار کر گئے تھے جیسے … یا پھر کسی نادیدہ مخلوق کی تصوراتی حد و حال۔ اصغر حمید اس جگہ … بیٹھا اپنی یادداشت کے دریچوں سے پھر دیکھنے کی کوشش میں تھا۔

(زیر تحریر ناول کا ایک باب)

اسد محمد خان

کی تحریروں کا نیا مجموعہ

برج خموشاں

سیف پرنٹس

سی ۳۲ شہرہ شاہکار پلازہ فیڈرل بی ایریا کراچی

Scanned with CamScanner

آج

سالانہ خریداری

اندرونی ملک

چار شماروں کی قیمت ۱۰۰ روپے

بیرونی ملک

امریکہ اور کینیڈا کے لیے

چار شماروں کی قیمت (بشمول ہوائی ڈاک خرچ وغیرہ) ۲۰۰ امریکی ڈالر

بھیجنے کا پتا :

Prof. Muhammad Umar Memon
5417 Regent Street
Madison, Wisconsin 53705
U.S.A.

انگلینڈ اور باقی ممالک کے لیے

چار شماروں کی قیمت (بشمول ہوائی ڈاک خرچ وغیرہ) ۱۵۰ پاؤنڈ

بھیجنے کا پتا

Ms. Shabana Mahmud
52 Queen's Road
Wimbledon
London SW19 8LR
England

محمد خالد اختر

ہندوستان کی سرسری تاریخ ـ ۳

باب پنجم

نند اول، دوم، سوم، چہارم وغیرہ — تو ناقابلِ برداشت بادشاہ

جہاں تک ہمیں یاد پڑتا ہے (ویسے ہمارا حافظہ ایک مدت سے جواب دے چکا ہے۔ اگلے دن ہم اپنا نام بھول گئے، اور ابھی ایک دوست سے درخواست کی کہ وہ ہمارے نام سے ہمیں بلائیں) ہم پورس سے بھارت گوتم بدھ کو یہاں سے چھوڑ کر مگدھ کی بادشاہوں تک پہنچے۔ جب چھترو اور سندوں وغیرہ کا ذکر کر رہے تھے ہم اب اپنے پڑھنے والوں کی رہنمائی نندوں کی طرف لے چلتے ہیں (ویسے یہ سب مرد تھے)۔ بدھ مصنفوں اور پرانوں کے مطابق آخری چھترو راجا کمزور مہاسد تھا۔ یہ مہاسد چھترو قدرے کم زور بادشاہ تھا۔ چنانچہ اس کی بیویاں (قدرتاً) یہی من مانی کرتی پھرتی تھیں۔ اس نے ایک نیچ ذات عورت مورا سے بیاہ رچایا۔ یہ مورا بڑی عورت نہ مہر اور الفت کی پرکار سکی۔ وہ شاہی حجام مہاپدم نند پر ریجھ گئی جو مہاسد کمزور سے زیادہ خوش شکل اور جوان تھا۔ اور ایک رات دونوں نے مل کر بیچارے کمزور کو سوتے میں گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا (جو بہرحال اچھی بات نہ تھی)۔ اس چالاک حجام مہاپدم نند نے رانی مورا سے بیاہ کر لیا اور چونکہ اب وہ رانی کا خاوند ہو گیا (اب ہر بستر کے لیے پوچھ) سے سازباز کر کے مگدھ کی تاج و تخت کا مالک بن بیٹھا۔ اس طرح مگدھ کی سلطنت پچاس برس کے لیے نندوں کے ہاتھ آ گئی۔ کمزوروں سے لوگ تنگ آ چکے تھے اور انھوں نے حکومت کی تبدیلی کو "ویلکم" کیا کہ شاید یہ کچھ تو بہتر چلائیں۔ مگر وہ نندوں کو نہیں جانتے تھے اور نہ یہ کہ وہ ان کے ساتھ کیا کرنے والے ہیں۔ ان نندوں کے متعلق ہم خوش قسمتی سے زیادہ نہیں جانتے۔ بدھ مصنفوں اور پرانوں میں ان کے احوال کافی کنفیوزنگ ہیں۔ اور نند خود بھی کافی کنفیوزڈ بادشاہ تھے۔ حجام بادشاہ مہاپدم نند کو پرانوں میں "سب کھشتریوں کا غارت گر" وہ

مستقل مہاراج "ادھیراج" بنایا گیا۔ نند اول اپنے وقتوں کا ہیرو تھا، اور اس نے اپنی [illegible] مصاحبوں کو فتح کر کے سلطنت کی کافی توسیع کی۔ ویسے وہ نہایت بدمزاج اور محسن کش تھا۔ مگدھ کے تخت پر ابھی چند مہینے کی تھوڑی عرصہ بعد ہی اس نے بیچارے جیوک یوگی (پیش گو ساتھ ہو) کو اس کے عہدے سے برطرف کر کے ایک پنجرے میں بند کر کے اس پنجرے کو شاہی محل کے باغ کے ایک کونے میں دوسرے حیوانات کے پنجروں کے ساتھ رکھوا دیا گیا۔ اور مہابھدم یا نند اول اکثر وہاں پنجرے کی سلاخوں میں سے اپنے سابق چیف آف دی آرمی اسٹاف سے گفتگو کرنے جایا کرتا۔ پہلے پہل یوگی مغلظات بکتا تھا جو چھاپی نہیں جا سکتیں۔ مگر بعد میں چپ چاپ سا رہنے لگا اور نند اول کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیتا۔ اس طرح ایک سال پنجرے میں رہنے کے بعد بیچارہ یوگی [illegible] ہو گیا [illegible] بعد میں نند اول نے اس پر رحم کرتے ہوئے اسے رہا کر دیا۔ اور یوگی نے اپنی بقیہ زندگی پاٹلی پتر کی سڑکوں پر دوسرے سنگیوں بھکاریوں کے ساتھ بھیک مانگتے اور بدی کی جوتیں مارتے ہوئے گزار دی۔ نند اول نے پندرہ سال دھوم دھڑکے کی حکومت کی، اور پھر موت نے [illegible] ایک بدھ صحیفے میں لکھا ہے کہ مہارانی مورتا نے اسے زہر دے دیا تھا، جو اپنے بیٹے نند دوم کو جلد از جلد تخت پر بیٹھا دیکھنا چاہتی تھی۔

نند دوم کو حکومت کرتے ابھی چار ہی سال ہوئے تھے کہ اسے ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ ایک دن بادشاہ جنگل میں شیر کے شکار پر نکلا ہوا تھا کہ شیر نے اسے کھا لیا۔ (اتفاقاً شیر بھی شکار پر نکلا ہوا تھا)۔ کھائے جانے کے بعد، ظاہر ہے وہ بادشاہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اور کریاکرم کی رسمیں ادا ہونے کے بعد نند سوم مگدھ کے تخت پر بیٹھا۔ نند سوم کے متعلق ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے کہ وہ سخت کمزور اور مخبوط الحواس مہاراج ادھیراج تھا۔ وہ اکثر اپنی مہارانیوں کو ایک دوسرے سے گڈمڈ کر دیتا۔ پرمیلا کو سوشیلا سمجھ بیٹھتا اور راج وتی کو لاجونتی (اگرچہ ان میں کوئی خاص فرق نہ ہوتا)۔ یہی حال اس کا اپنے قلمرو میں [illegible] کے سلسلے میں تھا۔ کبھی [illegible] کو راشٹرپتی کہنا شروع کر [illegible] جو پہلے ہی فتح ہو چکی تھیں۔ نند چہارم بھی کافی معقولیت پسند اگرچہ شکی اور قدرے جھگڑالو بادشاہ تھا، ہر تیسرے چوتھے مہینے اپنی عسکری جماعت یعنی کیبنٹ میں آٹھ دس وزیروں کا اضافہ کرتا اور نئے وزیروں کو وہ محکمے سپرد کرتا جو پہلے ہی دوسرے وزیروں کو تفویض تھے۔ اس سے کافی کنفیوژن پھیلا۔ [illegible] مگدھ کا رخ کرتے گوجرانوالے کا ایک گھوڑوں کا سوداگر پاٹلی پتر میں گھوڑے فروخت کرنے آیا (نند چہارم گھوڑوں کا شوقین تھا) وہ چار پانچ مہینے بعد خود کو پرورش حیوانات کا وزیر بنا دیکھ کر بڑا حیران ہوا۔ مگر وہ صرف گھوڑے بیچنا چاہتا تھا اور کچھ مدت بعد چوری چھپے اپنے وطن گوجرانوالے بھاگ نکلا۔ اس نے اپنا نام بدل ڈالا، اپنی ہیئت تبدیل کی اور گھوڑے لے کر پھر مگدھ گیا۔ اب کی بار اسے پھر پرورش حیوانات کا وزیر مقرر کر دیا گیا۔ جب نند چہارم سرگباش ہوا تو اس کی کیبنٹ کی تعداد دو سو سے اوپر تھی۔

نند پنجم کے عہد حکومت کا سب سے اہم واقعہ "اسوا بدھا" کے گھوڑے کی گمشدگی ہے۔ یہ مقدس گھوڑا ملک کے علاقے میں [illegible] لوگوں کی فصلوں کو منہ مارتا گھومتا پھرتا [illegible] مگدھ کی فوجوں کی ایک محافظ پلٹن اس کے پیچھے پیچھے اس پر نگاہ رکھے ہوئے [illegible] سے شکارے اور وہ اس کی گردن ماپتے۔ فوجی دم کی دم سہلاتے اور گھاس [illegible] پھر جو دیکھو تو گھوڑا غائب۔ پہلے تو انہوں نے سمجھا کہ گھوڑا آس پاس ہی کسی کھیت میں گھاس یا پتے چرتا ہو گا۔ اس کی تلاش شروع ہوئی۔ مگر گھوڑے کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا جیسے اسے زمین کھا گئی ہو۔ [illegible] لوگوں سے پوچھ گچھ کی [illegible] لاعلمی کا اظہار کیا۔ ایک دو نے [illegible] "گھوڑا؟ کون سا گھوڑا؟" وہ [illegible] کر رہ گئے۔ مختصراً اسوا بدھا (یہ گھوڑے کا نام تھا) کا پتا نہ چلا۔ اگرچہ محافظ فوجیوں نے ارد گرد کے سب علاقے اور گاؤں چھان مارے۔ ہم مصنفین کو یقین ہے کہ [illegible] وقت [illegible] اسوا بدھا کی نیت میں فتور پیدا ہو گیا تھا (ہمارے تجربے کے مطابق یہ گھوڑوں میں کوئی غیر معمولی یا انوکھی بات نہیں)۔ عام قسم کے گھوڑوں سے کہیں زیادہ حلیم و فہیم اور دور اندیش ہونے کی بدولت اس نے بھانپ لیا ہو گا کہ اسے رخصت کرتے وقت لوگوں کے جوش و خروش، دھوم دھڑکے اور اس پر گل پاشی وغیرہ کے پیچھے کوئی خاص مقصد کارفرما ہے اور اس کا انجام اچھا ہونے والا نہیں۔ برہمنوں کی [illegible] گھوڑے کی حس نے اسے بتا دیا ہو گا کہ یہ خوشیاں منانے ناچنے گانے والے لوگ اس کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ شاید اس نے قربان گاہ اور اس پر پڑے [illegible] دیکھ لیے۔ اس نے موقع ملتے ہی محافظوں کو جل دے کر فرار ہو جانے کی منصوبہ بندی، اور اس پر یہ ظاہر کر کے کہ وہ [illegible] گھاس چر رہا ہے یہ کرتب دکھا دیا (جو صرف گھوڑے ہی کر سکتے ہیں)۔ اس کی محافظ پلٹن کے فوجیوں نے یہ جانتے ہوئے کہ مقدس گھوڑے کو کھو دینے پر [illegible] کیا سلوک ہو گا [illegible] آسام کی پہاڑیوں کی راہ لی، اور ان میں سے کوئی بھی پھر مگدھ کی سلطنت میں نہیں دیکھا گیا۔

برہمنوں گھوڑے کے غائب ہونے کی خبر [illegible] میں پہنچی تو وہاں کہرام مچ گیا۔ لوگوں نے کپڑے پھاڑ [illegible] گھروں سے باہر نکل آئے۔ نند پنجم نے [illegible] سے ہاتھ کھینچ لیا (اور بعد میں اس پر غشی کا دورہ پڑا)۔ محافظ پلٹن کے فوجیوں کے خلاف جنھوں نے گھوڑے کی حفاظت میں کوتاہی کی تھی، غم و غصے کا اظہار کیا گیا۔ اور ہر ایک نے [illegible] (لوگوں کو یہ پتا نہیں تھا کہ وہ آسام جا چکے ہیں) [illegible] اسوا بدھا کو کسی نے [illegible] نہیں سکتا تھا کہ اتنا مقدس اوتار گھوڑا جان بوجھ کر ایسی حرکت کر سکتا ہے۔ وشنو کے بڑے مندر کے پروہت وشودت اور دوسرے برہمنوں نے پیشگوئی کی کہ اسوا بدھا کے گھوڑے کے یوں گم ہو جانے سے مگدھ کی عزت و عظمت میں جلد ہی [illegible] دوسری [illegible] ہو گی۔ چونکہ ملک کے کسی نہ کسی حصے میں [illegible] ہونا خلاف معمول نہ تھا اس لیے برہمنوں کی پیشگوئی کسی حد تک صحیح ثابت ہوئی۔ (نند ششم کے عہد میں [illegible] کے اسٹیل میں کسان [illegible] اور پورا کر

Scanned with CamScanner

کاش بکتی نہیں بڑے پورس ہاتھی کو شکیل و جمیل مرجوں اچھے لگتے تھے اور ان کے [illegible] سے
"ہیرو" کہنے کو چاہا۔ مگر پھر اس کی [illegible] میں یہ [illegible] ہے کہ [illegible] اور لالادی [illegible]
سکندر ہو گا جو چھ سات ہزار مسلح اور تربیت یافتہ یونانی پیدل اور سوار فوج کے ساتھ کھڑ
سے نکلا تھا اور حرکی اطلاعات یہ تک ٹیکسلا میں اس کا [illegible] راجا امبھی کی [illegible]
مپوشی کر رہا تھا۔ سکندر کی رکاب کو بھاگتے ہوئے (سکندر ایک یہی [illegible] میں سے دریا
میں ضرب اندیز کر اپنے یونانی دیوتاؤں [illegible] وغیرہ کو [illegible] کہ وہ اس کی
جنگ میں یونانیوں کو ظفریاب کریں) [illegible] ہاتھی [illegible] پورس [illegible]
آباد کی جانب دوڑ [illegible] پورس ہاتھی کا پایہ سخت تھا)۔ [illegible]
میں اس نے عجلت سے کام لیا۔ اگر وہ سکندر سے ایک بار مل لیتا اور بغل گیر ہو جاتا تو وہ
عمر بھر کے لیے ایک دوسرے کے ہم [illegible] دوست بن جاتے (جیسا کہ وہ جنگ کے بعد
ہو گئے)۔ اس طرح وہ قصوری سی جنگ جس میں ہاتھیوں نے اہل پنجاب کو [illegible] بدنام کیا
اور کبھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھا۔ کبھی نہ ہوتی۔ حالانکہ راجہ پورس ہاتھی خود ہاتھی نہیں
تھا، مگر دیوہیکل اور عظیم شحیم ہونے کی وجہ سے اسے ہاتھی کہتے تھے)۔

پورس ہاتھی نے دارالسلطنت پہنچتے ہی زور شور سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور ایک دو روز میں اپنے چالیس ہزار پیدل اور سوار سپاہیوں، کئی سو جنگی رتھوں اور بے شمار ہاتھیوں کے لشکر کو لے کر دریائے جہلم کے کنارے جم گیا۔ اس کے ہاتھیوں نے ہراول میں صف بندی کی۔ ان کی مہارت انہیں ہر وقت اپنے انکسوں سے چنگھاڑنے پر مجبور کرتے رہتے تھے جس میں ہاتھیوں نے یقیناً کوئی کسر نہیں کی۔ وہ دن گھوڑوں کو چنگھاڑنے سے پورس ہاتھی کا [illegible] غالباً یہ تھا کہ یونانی [illegible] ہیبت ناک حیوانوں کی چنگھاڑ سے دہشت زدہ ہو کر ہمت کی راہ ترک کر دیں گے اور ٹیکسلا واپس چلے جائیں گے جہاں سے [illegible] تھا اور جہلم دریا خوب چڑھا ہوا تھا۔ کچھ دن تو دونوں فوجیں اپنے اپنے کنارے سے ایک دوسرے کو کھڑی دیکھتی رہیں۔ پھر ایک طوفانی رات کو سکندر اپنے [illegible] سوار فوج کے دستوں کو پورس ہاتھی کے لشکر سے سولہ میل آگے لے گیا اور رات کی سیاہی میں یونانی کشتیوں کے ذریعے دریا پار کر کے دوسرے کنارے پر اتر گئے (اپنے گھوڑوں سمیت)۔ پورس ہاتھی کو جب اس کا علم کہیں جا کر صبح کو ہوا۔ اس نے اپنے ایک بیٹے کی سرکردگی میں فوج کا ایک دستہ یونانیوں کی مزاحمت کرنے کے لیے بھیجا مگر اب لڑائی کا پانسہ پلٹ چکا تھا۔ پنجابی دستے کے سپاہی بہادری سے لڑے اور ان میں سے ایک ایک کٹ مرا۔ پورس ہاتھی کا بیٹا بھی مارا گیا۔ دستے کا صفایا کرنے کے بعد یونانی فوج پنجابیوں پر ٹوٹ پڑی اور حشر کا سماں ہو گیا۔ [illegible] دوران یونانی لشکر کے دوسرے حصے دریا پار کر کے حربے لگے۔ گھمسان کا رن پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد ہی پورس ہاتھی کی فوج تتر بتر ہونے لگی۔ ہاتھیوں نے یونانیوں کے تیروں سے بوکھلا کر خود اپنی ہی فوج کی صفوں کو روندنے کا کارنامہ سرانجام دیا اور یونانیوں کی پوری پوری مدد کی۔ ہزاروں کھیت رہے۔ قلب میں پورس ہاتھی آخری دم تک بہادری سے لڑتا رہا، گو وہ جانتا تھا کہ وہ جنگ ہار چکا ہے۔ ایک دفعہ سکندر نے جنگ کے دوران اپنے دوست

حالت میں دیکھا گیا۔ مگر تب بہت دیر ہو چکی تھی اور وہ [illegible] کے قابل ہرگز نہیں رہا تھا۔) [illegible] ششم تخت پر بیٹھا مگر چونکہ وہ دونوں کانوں سے بہرا اور اس کے ساتھ ساتھ گونگا تھا، اس لیے [illegible] دیکھتے ہوئے کہ [illegible] سے حکومت ٹھیک سے نہیں ہو رہی [illegible] ملک کی باگ ڈور خود سنبھال لی۔ اس کے بعد نند ہشتم اور اس مبارک خاندان کا آخری بادشاہ نند نہم [illegible] دربار [illegible] وہ نہایت [illegible] عیش پرست، [illegible] اور مطلق العنان بادشاہ تھا۔ بادشاہ ہونے کے باوجود رات کے کھانے سے جو بچ جاتا اسے [illegible] دیتا اور صبح کے وقت بچا ہوا باسی کھانا کھاتا۔ ایسی [illegible] اور [illegible] میں شیخی بگھارتا کہ اس طرح وہ صبح کا ناشتہ بچ لیتا ہے [illegible] وہ دو [illegible] میں ایک بار کرتا۔ اور اس کی پوشاک اتنی میلی کچیلی ہوتی کہ اس سے بساند آتی اور اس کے [illegible] نہیں تھا (اس [illegible] ایک بیج [illegible] کی دھوبی [illegible]) نند [illegible] کے دربار میں ایک شوخ [illegible] اور [illegible] موریہ چندرگپت مور نے بڑی رسائی حاصل کر لی اور [illegible] سے ترقی کر کے مگدھ کی فوج میں [illegible] ہو گیا [illegible] شکل [illegible] پر ناراض ہو کر [illegible] ملک بدر کر دیا۔ موریہ چندرگپت بھاگ کر پنجاب میں جا کر مختلف قبائل سے میل ملاپ کیا اور اپنی ایک اچھی خاصی جمعیت بنا لی۔ پھر اس نے اس فوج کے ساتھ مگدھ پر چڑھائی کی اور چانکیہ [illegible] دربار سے [illegible] کر کے مگدھ کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح نند نہم اور نند خاندان کا خاتمہ بالخیر ہوا۔ لوگوں نے سکھ چین کا سانس لیا کہ نندوں سے جان چھوٹی۔ وہ نندوں سے [illegible] اور [illegible] چندر گپت مور (انگریزی [illegible]) [illegible] دوسرے [illegible] دور حکومت کا ذکر [illegible] ہم کو یونانی سیاح سکندر ([illegible] سکندر [illegible] جو سکندر حیات خان اور دوسرے سکندروں سے [illegible] بہت بعد میں آئے) کے بارے میں بتاتے ہیں، جو نند نہم کے [illegible] عہد حکومت میں پنجاب اور [illegible] ہندوستان کی سیر کی خاطر آیا تھا۔ اس سکندر کو [illegible] سکندروں میں [illegible] لوگوں نے اسے اعظم قرار دیا اور وہ [illegible] کی تاریخ میں پہلا اعظم ہوا۔ [illegible] کسی نے اعظم بننے کی کوشش کی اور اتنے لوگ اعظم ہو گئے کہ [illegible] نہیں سکے۔

باب نہم

سکندر اعظم — ایک حسنہ سیاح

ایک صبح اپر پنجاب کا راجا بڑا پورس ہاتھی (ایک چھوٹا پورس ہاتھی زیریں پنجاب میں بھی راجا تھا جس کا بعد میں ذکر آئے گا) اپنے رتھ میں دریائے جہلم کے کنارے [illegible] شکار [illegible] جاتا تھا کہ اس نے دوسرے کنارے پر [illegible] کی کھال کی [illegible] لباس میں ایک [illegible] گھنگھریالے بالوں [illegible] کو [illegible] میں کچھ عجیب رسومات [illegible] کرتے دیکھا۔ اس کے ساتھ تین چار اور لوگ بھی تھے، اور [illegible] لمبی داڑھیوں والے شخص جو

راجا امبھی کے ہاتھ پورس کو پیغام بھیجا کہ وہ ہتھیار ڈال دے تو اس کے حق میں مفید ہو گا۔ پورس ہاتھی سے اترا اور راجا امبھی کی طرف برچھی پھینکی جو اس کی زرہ سے ٹکرا کر نیچے گر گئی۔ ایک بھالا مارا جو اس کو نہیں لگا۔ پورس کو کوئی کاری زخم نہ لگے۔ آخر اسے پکڑ کر سکندر کے روبرو لے آئے۔ سکندر نے راجا امبھی کی وساطت سے، جو تھوڑی بہت یونانی زبان سمجھنے لگا تھا، پورس سے پوچھا کہ اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ پورس بلا جھجک اور بڑی دلیری سے جواب دیا۔ سکندر! وہی جو بادشاہ بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ سکندر کو یہ جواب بہت پسند آیا اور وہ ایک دوسرے کے دوست ہو گئے۔

پورس ہاتھی کی شکست کے اسباب

ہم نے کبھی خود کوئی جنگ نہیں لڑی اور ہمارا شمار ملک کے فوجی ماہرین میں نہیں ہوتا۔ پہلی دوسری جنگ عظیم میں معذور ہو کر ایک کاربائن مشین سرانجام دیتے تھے ہم نے اپنے ایک پرانے دوست ریٹائرڈ حوالدار میجر مولاداد سے جنہوں نے دوسری جنگ عظیم کے شروع میں برما اور سنگاپور کے محاذ پر جاپانیوں کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا تھا درخواست کی کہ وہ یونانیوں اور پنجابیوں کے درمیان اس جنگ میں پنجابیوں کی شکست کے اسباب پر روشنی ڈالیں۔ حالانکہ پنجابی تعداد میں یونانیوں سے کہیں زیادہ تھے ریٹائرڈ حوالدار میجر مولاداد نے مناسب سوچ بچار کے بعد مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کیا:

۱۔ جنگ اگر دریائے جہلم کے کنارے کے بجائے کسی اور جگہ کے کنارے ہوتی تو پورس جیت جاتا۔

۲۔ پورس کو چاہیے تھا کہ سکندر کی فوج کو جہلم پار نہ کرنے دیتا۔ فوجی لحاظ سے یہ بڑی سخت غلطی تھی۔

۳۔ پنجابیوں کو چاہیے تھا کہ خود جہلم پار کر کے دوسرے کنارے پر اترتے اور یونانیوں کی پشت پر حملہ کرتے۔ پشت پر حملہ کرنا کارگر ہوتا ہے۔

۴۔ یونانی سواروں کی فوج کے گھوڑے پنجابی گھوڑوں سے زیادہ موٹے تازے اور تندرست تھے۔ پنجابی گھوڑے نسبتاً پست قد اور مریل تھے۔

۵۔ یونانیوں کے تیر بہت دور تک جاتے تھے اور پنجابیوں کے دو گز کے۔ پنجابی تیر اندازوں کی بھاری کمانوں پر چلا چڑھانے کے لیے انہیں کمان زمین پر رکھنا پڑتا تھا۔ اس کے برعکس یونانی آسانی سے چلا چڑھا کر تیر مارتے تھے۔ پنجابی تیروں اور نیزوں کی نوکیں عدم استعمال کی وجہ سے کند ہو چکی تھیں۔

۶۔ ہاتھیوں کے بارے میں کہ استعمال پورس کی فاش غلطی تھی۔ ہاتھی بڑے جانور ہیں اور فیل جانور سے موجود بلاتے اور چنگھاڑتے ہیں اور مفید کام نہیں کر سکتے۔ قد و قامت سے کیا ہوتا ہے۔

۷۔ بھاری بھرکم جنگی رتھوں کا استعمال بھی ٹھیک نہ تھا کیونکہ دریا کے کنارے دلدلی زمین

میں دھنس جاتی تھیں۔

۸۔ وغیرہ وغیرہ۔

ہم نے ریٹائرڈ حوالدار میجر مولاداد سے مزید پوچھا کہ پورس کے بجائے اگر وہ خود ہوتے تو شکست سے بچنے کے لیے کیا تدبیر کرتے۔ مولاداد نے حسب عادت تھوڑی دیر سوچنے کے بعد جواب دیا کہ وہ سکندر کو صلح کا پیغام بھجواتا اور اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا۔ ہر عقلمند آدمی کو لڑائی جھگڑے سے احتراز کرنا چاہیے۔ ہم نے حوالدار میجر مولاداد سے اتفاق کیا۔

بیوسی فالس — ایک آئیڈیل گھوڑا

اس پنجاب یونانی جنگ میں سکندر کو اپنے بیس بائیس سال پرانے رفیق بیوسی فالس گھوڑے کا داغ اٹھانا پڑا۔ اسے اس کے انتقال کا اتنا صدمہ ہوا کہ اس نے دو دن تک اپنا کھانا نہیں چکھا۔ کہتے ہیں کہ بیوسی فالس کو پیٹ میں تیر لگا اور وہ زخمی ہو کر پھر لڑکھڑا کر ڈھیر ہو گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ اس کو تیر وغیرہ کوئی نہیں لگا۔ پہلے ہی سے بیس سال اور ضعیف العمری سے لب گور پہنچ چکا تھا اور اس کی وفات کسی بھی وقت متوقع تھی۔ جنگ کا ایک بہانہ ہی گیا اور شہادت نصیب ہوئی۔ بیکلیف لڑتے لڑتے دوری سوار (یعنی سکندر) سمیت بیٹھ گیا اور پہنچتے ہی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ سکندر اس کی حالت کو جانتا بوجھتا بھی کہ اب سواری کے قابل نہیں رہا تھا ہمیشہ اسی پر سواری کرتا اور حتی الامکان کسی دوسرے گھوڑے پر نہ بیٹھتا تھا۔ اگر وہ کسی اور گھوڑے پر چڑھتا بھی تو بیوسی فالس بہت ناراض اور آزردہ ہوتا (اور سکندر کی طرف حسرت اور شکایت بھری نظروں سے دیکھتا)۔ بیوسی فالس اپنی جوانی میں بھی سکندر کے سوا کسی اور کو اپنی پیٹھ پر سواری نہ کرنے دیتا۔ ایک دفعہ کسی کو اس پر سواری کا شوق ہوا۔ اب وہ اس پر سوار ہو تو گئے مگر پھر اس طرح اچھلا کہ نیچے آ رہا گردن بچ گئی، مگر دو ہفتے تک لنگڑا لنگڑا کر چلا۔

بیوسی فالس نہایت شہ زور، سرکش اور حیلہ ساز گھوڑا تھا (جو اس میں)۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ کسی قدر سنجیدہ، مدبر اور آرام طلب ہو گیا مگر خصلت نہیں بدلی (بہت کم گھوڑے اپنی خصلت بدلتے ہیں۔) فطری اور موروثی کمینگی ویسے کی ویسی رہی۔

ابھی بچھیرا ہی تھا اور عنفوان شباب میں قدم رکھنے کو تھا کہ ایک یونانی گھوڑوں کا سوداگر اس کو سکندر کے باپ فلپ کے پاس بیچنے کی غرض سے لایا۔ کئی چابک دست سواروں نے اسے رام کرنے اور اس کی پشت پر بیٹھنے کی کوشش کی۔ مگر یہ کسی کو پیٹھ پر ہاتھ نہ دھرنے دیتا اور فوراً بدک کر الف ہو جاتا اور کندھے لگانے لگتا۔ پندرہ سالہ شہزادہ سکندر بھی وہاں موجود تھا۔ وہ آگے بڑھا اور اس کی لگام پکڑ کر اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا تاکہ وہ اپنے سائے سے نہ بھڑکے (دراصل بیوسی فالس اپنے سائے سے ڈر رہا تھا)۔ یعنی سکندر نے یہ نہ بھی کہا ہو کہ تاکہ آپ کی آنکھیں چندھیا جائیں اور آپ کچھ کچھ اندھے ہو جائیں۔ سکندر نے آپ کو پچکارا، آپ کی گردن پر تھپکی دی اور آپ ابھی آنکھیں ہی جھپک رہے تھے کہ اچھل کر آپ کی پشت پر سوار ہو گیا (ہم اسے آئیڈیل خیال نہیں کرتے)۔ بیوسی

دنس ایسے قائم ہوئے کہ پھر شورش نہ ہو سکی۔ سکندر کا باپ فلپ بھی جو اپنے بیٹے کی دلاوری دیکھ کر یوں کہتا تھا "اے میرے بیٹے جا اور اپنے لیے ایک ایسی سلطنت تلاش کر جو تیرے شایان شان ہو۔ مقدونیہ کی ریاست تیرے لیے بہت چھوٹی ہے۔" باپ کی منہ سے نکلی بات سچ ثابت ہوئی اور تیس بتیس برس کی عمر میں سکندر نے مغرور ایران کو پامال کر کے مشرق میں بھی اپنا پھریرا لہرا لیا۔

مرنے سے پہلے اس کا نام بیوسی فالس نہیں تھا یہ کچھ اور کہلاتا تھا۔ سکندر نے اس کا نام بیوسی فالس رکھا یعنی بیل کے سر والا (ویسے یہ یونانی زبان سے ماخوذ ہیں)۔

سکندر نے اپنی فتح کا جشن منانے کے بعد اپنی فوجی چھاؤنی کے مقام پر ایک نئے شہر بیوسی فالس کا سنگ بنیاد رکھا۔ بیوسی فالس کی تجہیز و تکفین بھی فوجی اعزاز کے ساتھ اس شہر میں ہوئی۔ اور تین سو کچھ سال سپاہیوں کو رخصت نے اس کو سلامی دی (زمانہ کی ناقدری پر حیف ہے کہ اب اس کے مزار کا پتا نہیں)۔ بیوسی فالس اب جہلم شہر کہلاتا ہے شاید اہل پنجاب کو اصل نام پسند نہیں آیا اور ان کی زبان پر نہیں چڑھا حالانکہ بالکل آسان اور معقول ہے۔

مصنفین کی متفقہ ہماری تجویز ہے کہ سکندر نے اہل پنجاب پر احسانات (اور اس کی الٹ) کے پیش نظر جہلم کا نام پھر سے بیوسی فالس رکھا جائے۔ مدعی کر کے گھوڑے بیوسی فالس کی مزار کا پتا لگانا بھی ضروری ہے تاکہ عوام الناس وہاں حاضری دے کر فیض حاصل کر سکیں۔

باب یازدہم

انکل پورس باتھی اور دو بھتیجے

سکندر نے کچھ عرصہ اپنی فوجوں کو آرام دینے کی خاطر بڑے پورس باتھی کے پایۂ تخت وزیرآباد میں قیام کیا۔ وہ خود اسی شاہی محل میں ٹھہرے کہ جہاں پورس باتھی کا بھتیجا بھی رہتا تھا جہاں اس نے یونانی طب سے چھ فٹ پانچ انچ کے قد کا ہیکل بھتیجا کہ جنگ میں زخموں کا علاج کرایا جو جلد ہی ٹھیک ہو گئے مگر پورس باتھی اپنے بیٹوں کی موت کے صدمے سے کچھ نڈھال اور ملول سا تھا (گو اس کے بھتیجے کے لئے مگر یہ دو تھے)۔ ٹیکسلا کا راجا امبھی اس عرصہ میں محل میں سکندر کے ساتھ رہا (گو پورس باتھی نے اسے مہمان ہونے کی دعوت نہیں دی تھی)۔ وہ ٹیکسلا کے ذکر سے کوئی خاص دلچسپی نہ ہوئی دراصل امبھی کو شہر سے محبت ہو گئی تھی اور ایک دوسرے کی صحبت میں ان کا جی خوب لگ گیا وہ دونوں ہم عمر اور ہم مذاق تھے۔ دوسرے ہم پیالہ و ہم نوالہ راتوں کو ان کی محفلیں دیر تک گرم رہتیں کیوں کہ سکندر نے کی سوالا تھا۔ اور امبھی اس سے بھی زیادہ پنجابیوں میں صرف امبھی ہی تھوڑی بہت یونانی لکھ لیتا تھا وہ یونانی ادب، فلسفہ اور فن حرب پر سکندر کی طولانی اور دلچسپ باتیں سنا کرتا (سکندر کافی باتونی تھا اسے ہومر کے کئی حصے زبر تھے)۔ امبھی کو سکندر کی باتیں کچھ کچھ ہی سمجھ

میں آتیں مگر وہ اسے اچھی لگتیں۔ وہ اکثر ایک ہی کمرے میں سوتے اور بعض یونانی جرنیل جو محل میں سکندر سے ملنے آتے، دونوں کو بستر پر اکٹھا دیکھ کر حیران ہوتے اور ایک دوسرے کو آنکھ مارتے۔ بعد میں جب بڑا پورس باتھی بھلا چنگا ہو گیا تو وہ بھی ان محفلوں میں شریک ہونے لگا۔ پینے کے معاملے میں سکندر اور راجا امبھی کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہ تھی۔ اور وہ خونوں کو فرش پر روندتا چھوڑ کر غیرمتزلزل قدموں سے اپنی حرم کو جاتا۔ یہ نہیں کہ شراب کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ دو تین پیالے اسپیس کے بعد پورس باتھی کافی بدمعاش اور بدتمیز ہو جاتا اور سکندر اور امبھی سے نہ چھپائی جا سکنے والی باتیں کرتا (حالانکہ بنیادی طور پر پورس باتھی ایک نہایت اچھا شائستہ مزاج اور روشن ضمیر شخص تھا)۔ راجا امبھی کی تو وہ پنجابی زبان میں خوب خبر لیتا (جو سکندر نہ سمجھ سکتا)۔ کئی بار اس نے امبھی سے پوچھا کہ وہ یہاں کیا کر رہا ہے اور ٹیکسلا کو اپنی ماں کے یاروں کے حوالے کر کے دوسروں کی عیاشیں اڑاتا اور ان کی مفت کی شرابیں پیتا ہے اسے شرم نہیں آتی؟ مبینہ طور پر امبھی نے اس کی گالیاں سن کر مسکرا دیتا (امبھی بھی بنیادی طور پر دل کا برا نہ تھا)۔ مگر ایک دفعہ امبھی کو بھی غصہ آ گیا اور اس نے پورس باتھی کو جنگ میں شکست کا طعنہ دیا۔ اس پر پورس باتھی نے سکندر، یونانی فوج اور بالعموم یونانیوں کے بارے میں ایسے کلمات کہے جو چھاپے نہیں جا سکتے اور اٹھ کر امبھی کی لپکائی کرنے کو ہوا۔ سکندر نے اٹھ کر بیچ بچاؤ کرایا (ایک دو ہتڑ اسے بھی لگے) ورنہ امبھی کی جان کی خیر نہیں تھی۔ ویسے سکندر کہن سال دیو کی قدر کرتا تھا اور اس کی صاف گوئی کو ناپسند نہ کرتا تھا۔ دونوں سکندر اور امبھی خوف اور اشتیاق سے پورس باتھی کو دانشمندانہ مشورے سنتے (سے نصیحت کرنے کا کافی شوق تھا) اور اسی شفقت سے چاچا جی کہتے۔ ایک رات سکندر نے نشے کی ترنگ میں شیخی بگھاری کہ اس کی ماں اولمپیا نے اسے بتایا تھا کہ وہ فلپ کا بیٹا نہیں اور اس کا اصل باپ دیوتا زیوس ہے اس لیے وہ فانی انسان نہیں بلکہ خود دیوتا ہے۔ پورس باتھی نے دیوتا بھتیجے کا خوب مذاق اڑایا اور اسے ڈانٹا "نوجوان! تیرا دماغ تو نہیں چل گیا؟ کبھی دیوتا بھی انسانوں کے ساتھ ووڈکا پیتے ہیں؟ پاگل تو میں تجھے پہلے ہی سمجھتا تھا مگر اتنا نہیں جتنا تو اب ہوا ہے۔ اپنے گھر جا اور کسی قابل وید سے اپنا علاج کرا!"

اس عرصے میں یونانی فوجی پنجابیوں سے خوب گھل مل کر پنجابی نسل کو بہتر بنانے کی جدوجہد کر رہے تھے (جو پہلے ہی سے بھی آریاؤں اور افغانوں کے حملوں کی وجہ سے کافی بہتر ہو چکی تھی)۔ سکندر کی کڑی فرمانوں کے باوجود کہ فوجی پنجابی عورتوں سے کوئی سروکار نہ رکھیں اور میل جول چلنا کا ثبوت تھا بہت سے یونانی فوجیوں نے چپکے چپکے پنجابی عورتوں سے شادیاں کر لیں اور گھر داماد ہی کر بیٹھ رہے (وہ بعض جرنیلوں اور افسروں کی چشم پوشی سے کیمپ سے کئی کئی دن غیر حاضر رہتے تھے)۔ کئی ایک پنجابیوں نے آ کر شکایتیں کیں کہ ان کی بیویاں ان سے برگشتہ ہو کر یونانی سپاہیوں کو گھر میں لے آئی ہیں۔ بڑے پورس باتھی نے (جو نسل کو مزید بہتر بنانا چاہتا تھا) ان شکایات کا زیادہ نوٹس نہیں لیا۔ مگر سکندر کو جب اپنے سپاہیوں کی بیوفائی کی خبریں ملیں تو وہ بہت لال پیلا ہوا۔ اس نے اپنے

جرمنوں کی صرف شاخت ظاہر کی۔ سکندر نے خود اپنی سیاحت کے دوران دو تین بادشاہوں اور سرداروں کی بیٹیوں سے شادیاں کی تھیں مگر وہ مصلحت ملکی کی بنا پر تھیں، بالعموم وہ عورتوں سے دور دور رہتا تھا اور اس کے متعلق اس کی رائے کوئی خاص اچھی نہ تھی۔

باب دو از دہم
لوئر پنجاب کی سیاحت

اب سکندر کی فوج نے ضرورت سے زیادہ آرام کر لیا تھا، چنانچہ اس نے بقیہ پنجاب (یعنی لوئر پنجاب) کی سیاحت کا قصد کیا۔ اسے بظاہر پورس سے جدائی گوارا نہ تھی مگر اس نے اسے تسلی دی کہ وہ سیاحت کے بعد پھر لوٹ کر وزیرآباد آئے گا اور وطن واپسی سے پہلے چند ماہ اس کے پاس قیام کرے گا۔ مگر پورس ماہر تھا وہ سیاحت کے اس آشوب کو سراہتا، چار پانچ ماہ کی مہمان نوازی کے بعد وہ کچھ سکون اور آرام کا طالب تھا۔ روز روز کی پلاشوں سے اس کی طبیعت اکتا چکی تھی اور وہ خود اور اس کی فوج بھی .... میں سوچتا کہ سکندر کے جانے کے بعد .... اس کے پاس رکے رہنے کی کوئی وجہ نہیں رہے گی اور وہ ٹیکسلا چلا جائے گا ـــ مگر راجا امبھی ٹیکسلا نہیں گیا جب سکندر کی فوج نے کوچ کیا تو امبھی بھی .... گھوڑے پر سوار سکندر سے چار قدم پیچھے تھا۔ (......... بعض .... کر خود .... میں سے ایک کیسی مرنے تک تھا اور سکندر .... کر سے جدا نہ ہوا، وسیع قطع .... کر لی تھی) یونانی لشکر میں ہر کوئی اس اپنے سفارت میں ملکی .... سے نفرت کرتا تھا لیکن امبھی کی بلا سے۔

سکندر دریائے چناب پار کرکے ایک اور راجا پورس کے علاقے میں داخل ہوا جو چھوٹا پورس یا ماہر کہلاتا تھا .... یونانی فوج کی .... بھاگ گیا۔ سکندر کو .... اور پس پشت کو محفوظ رکھنے کی خاطر اپنے ایک .... جرنیل کی کمان میں ایک دوسری .... میں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ اس نے راوی کو پار کیا۔ یہاں سانگلا کے کٹھی لوگ اس کے خیرمقدم کے لیے تیار تھے۔ انھوں نے ڈٹ کر یونانیوں کا مقابلہ کیا .... دونوں فوجوں کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا .... کچھ .... یونانیوں نے سانگلا شہر .... کر پھینک دیا۔ .... وہ اس کو .... جاتی تھی مگر .... نے صلاح دی کہ .... بہت وقت ضائع ہو جائے گا .... سے کوچ کے وقت .... کہ سکندر کی لوئر پنجاب کی سیاحت ایک پکنک ہو گئی۔ اسے سانگلا والوں کے ارادوں کا پتا ہوتا تو سکندر کے ساتھ چلنے کے بجائے گھوڑے .... سانگلا کی جانب .... پر سکندر کی حوصلہ شکنی .... اور .... دہشت پھیلائی کہ انہوں نے .... کی اطاعت کر لینے میں مصلحت سمجھی۔ .... کٹھی .... قوم تھی اور ایک یونانی مورخ .... کے مطابق یہ خوبصورتی، بہادری .... کی مہارت میں سارے ہندوستان میں مشہور تھی۔ وہ .... کی طرح صرف خوبصورت اور صحت مند بچوں ہی کو بڑھ کر جوان ......

ہونے کی اجازت دیتے۔ انھوں نے اس مقصد کے لیے ایک کمیٹی بنا رکھی تھی جو ہر دو ماہ قبل پیدا ہونے والے بچے کا معائنہ کر کے فیصلہ کرتی کہ آیا وہ خوبصورتی اور جسمانی تندرستی میں اس معیار پر پورا اترتا ہے جو قانون نے مقرر کر رکھا ہے اور اسے زندہ رہنے دیا جائے یا نہیں جو بچے معیاری قانون کے مطابق "درست" نہیں ہوتے تھے انہیں وہیں ختم کر دیا جاتا تھا۔

اس اطاعت کرنے والے راجاؤں میں ایک عجیب و غریب راجا سوبھوتی تھا جس نے سکندر کی شاہانہ طور پر آؤبھگت کی۔ سوبھوتی کتوں کا بڑا شوقین تھا اور مختلف نسلوں اور قومیتوں کے .... کاکر اسپیل .... گدی، گلہری .... اس کے پاس موجود تھے۔ راجا کی محل کا بیشتر حصہ ان کتوں کے تصرف میں تھا اور ان کے لیے کھانا باقاعدہ دسترخوان پر چنا جاتا۔ یونانی اس راجا سے بڑے متاثر ہوئے۔ ایک گدی کتے نے ایک دن راجا سوبھوتی کو کاٹ لیا جس کے کچھ دن بعد وہ مر گیا (یعنی گدی کتا)۔ سوبھوتی کو قدرتاً اس کے بجائے اپنے گدی کتے کے مرنے کا بڑا رنج ہوا۔ سوبھوتی نے سکندر کی .... کی .... میں .... کی یادگار کے طور پر ٹکسال میں سونے کے سکے ڈھلوائے جن پر سوبھوتی اور سکندر دونوں کی ابھری ہوئی صورتیں تھیں۔ سکندر سکے پر اپنے آپ کو پہچان نہ سکا (بلکہ سوبھوتی زیادہ سکندر لگتا تھا) بہرحال وہ خوش ہوا اور سوبھوتی کی .... (سوبھوتی بھی کافی شکیل و جمیل تھا)۔

سکندر اب مارچ کرتا ہوا بیاس کے کنارے پہنچا۔ جہاں اس نے مگدھ کی وسیع سلطنت کی دولت اور حشمت کے بارے میں سنا جو چند منزلوں پر وادیٔ گنگ کی دامن میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں چندر گپت موریہ (یا سی جی موریہ) اسے ملا اور اسے مگدھ پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ (سی جی موریہ یونانیوں کی مدد سے .... کی تخت الٹنا چاہتا تھا) کسی وجہ سے سکندر کو اس شخص موریہ .... کی شکل .... اور .... (گو راجا امبھی .... کی سفارش کی) اور سکندر چڑ گیا۔ اس نے موریہ کو اپنی نظروں سے دور ہو جانے اور .... کا حکم دیا۔

"اور میں جانتا ہوں تمہارے دل میں کیا ہے" سکندر نے کہا "تم جاسوس ہو! یہاں سے دو دن گیارہ ہو جاؤ اور اگر پھر تم نے میرے کیمپ میں شکل دکھائی تو میں تمہیں گھوڑے کی دم سے بندھوا دوں گا" راجا امبھی نے جب اس کا ترجمہ موریہ کو سنایا تو موریہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس کو یہ گمان تھا کہ وہ "چارمنگ" ہے اور سمجھتا تھا کہ .... شکل سکتا ہے .... گھوڑے کی دم سے باندھے جانے کی مجبوری نہ چاہتی اور وہ فوراً وہاں سے چمپت ہو گیا۔

باب سیزدہم
سکندر سیاح کی وطن کو واپسی

سکندر مگدھ کو فتح کرنا چاہتا تھا مگر جنگ سے تھکے ہارے مقدونیوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ انہیں گھر سے نکلے آٹھ طویل برس ہو چکے تھے، اور وطن سے ہزاروں میل دور اجنبی دیسوں میں معرکہ آرائیوں اور فتوحات سے انہیں کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔ سکندر نے جس کا جی ابھی اپنی سیاحتوں سے نہیں بھرا تھا اور جو دنیا کی انتہا دیکھنا چاہتا تھا انہیں

اس حرکت کلاس سے منانے کی کوشش کی مگر وہ نہیں مانے۔ سکندر ایک شکستہ دل سے واپس پلٹا اور یونانی اسی راستے سے ہوتے ہوئے جس پر وہ آئے تھے، واپس چلے۔ دو سے دن وہ کنور واپس راجا سوبھوتی کی راج دھانی میں رکے جو اب کو فتی علاقہ واپس دیکھ کر حیرت ہوا۔ یہاں پھر ایک چنگیرے کتے نے راجا اسبھی کو کاٹ لیا (کتے کسی وجہ سے اسے پسند نہیں کرتے تھے) اور مر گیا (یعنی چنگیرا کتا)۔

پھر وہ چھوٹے پورس ثانی کے علاقے میں سے گزرے جہاں پیچھے رکا ہوا کیرس سکھیاں جار رہا تھا۔ چھوٹا پورس ثانی ابھی تک بھاگا ہوا ہے اور اس کا کوئی اتاپتہ نہ تھا۔ جہلم پہنچنے پر بڑے پورس ثانی نے یونانیوں کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ چچا اور بھتیجے کہنے لگے کہ سکندر نے وطن واپسی کی بڑے پیمانے پر زورشور سے تیاریاں شروع کر دیں۔ وہ مسرلی سمندر دیکھنے پر تلا ہوا تھا (گو پورس نے اسے سمجھایا کہ بھتیجے اس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا سیدھے راستے سے گھر لوٹو) اور اس نے دو ہزار چھوٹے بڑے جہازوں اور کشتیوں کے بیڑے کی تیاری کا حکم دیا۔ ان کے اسپیشر جہاز سازی کے ماہر اور ہندوستانی کے اسمی ہرمش پوہار لمبھیرے اس کام میں جٹ گئے اور پنجاب کی کل آبادی بھی سب دوسرے کام چھوڑ چھاڑ کر یونانیوں کی نگرانی میں کشتی سازی میں مصروف ہو گئی۔

سکندر ... پورس کے محل میں نہیں ٹھہرا اور موقعہ پر ہر چھوٹے بڑے کام کی خود دیکھ بھال کرتا تھا۔ راجا اسبھی نے اپنے دوست کو اس کی دھن سے مصروف عمل دیکھ کر اپنی مملکت ٹیکسلا اور اس ہمسایوں کی خیر خبر لینے کا وقت نکالا۔ اس کی مملکت محفوظ اور قائم تھی اور ہمسایوں میں سے کسی کو بھی بھاگی تھی، ٹیکسلا چند ہی دن میں توقف کر کے (جہاں اس کا دل نہیں لگتا تھا) وہ جلد ہی اپنے دوست کے پاس لوٹ آیا مگر وہ کچھ کھویا کھویا سا رہتا تھا۔ پورس نے اسے اپنے محل میں ٹھہرانے سے انکار کر دیا (اس کی بیویوں اور خادموں نے ہر ... کیا تھا) اور سکندر کے پاس اس کی ساتھیوں میں مصروف ہونے کی وجہ سے اس کے لیے کوئی وقت نہیں تھا۔ راجا اسبھی فطرتا ہریالی اور موج میلے کا شوقین ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کو نہیں سمجھ سکتا تھا جو ہر وقت کسی کام میں مصروف رہتے ہیں اور کام کے دوران دوستوں کو پہچاننے سے منکر ہو جاتے ہیں۔

جہاز تیار ہونے میں پانچ مہینے لگ گئے۔ اس دوران سکندر نے جہلم کے کنارے پتھروں اور اینٹوں سے بارہ مذبح تیار کرائے جن پر یونانی دیوتاؤں کے تصویر بنائے گئے ... چھتروں اور داڑھی والے بکروں کی قربانیاں کرائیں اور بخور جلائے۔ یہ مذبح اس نے یونان کی اس کشتی کی یادگار کے طور پر قائم کیے جو اس نے اور یونانی فوج نے ان آٹھ سالوں میں اٹھائی تھی اور جن سے وہ اب تک سلامتی سے عہدہ برآ ہوتے آئے تھے۔ دیوتاؤں کی قربانی کی آخر جلدت ان کے منہ بولے چچا بڑے پورس ہاتھی نے اپنی حیثیت کے مطابق سے سب کچھ۔ اگرچہ سکندر ان کی لاگت خود ادا کرنا چاہتا تھا۔ آخرکار جہاز تیار ہو گیا اور یونانی فوج کا بڑا حصہ اپنے گھوڑوں اور سازوسامان اور رسد کے بوروں سمیت سوار ہو گیا۔ یونانی لشکر کے دو سوار اور پیدل حصوں کو دو جرنیلوں کی سرکردگی میں دریا کے دونوں کناروں کے ساتھ ساتھ مارچ کرنے کا حکم دیا گیا۔

روانگی سے پہلے سکندر نے اپنے جدامجد ہرکولیس، سمندری دیوتا آمن راہ اور دوسرے یونانی دیوتاؤں کو دریا میں شراب کی نذرانہ چڑھائیں۔ بڑے پورس ہاتھی اور اپنے جگری دوست راجا اسبھی کو الوداع کیا۔ (دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے اور سکندر خود بھی رو رہا تھا)۔ وہ اپنے شاہی جہاز میں بیٹھا اور بیڑا حرکت میں آیا۔ آرپار جہلم کے دونوں کناروں پر پنجاب کی البیلی جوان، بچے اور بوڑھے یونانیوں کو وداع کرنے کے لیے ... کی آدھی راستے تک بیڑے کے ساتھ ساتھ گئے۔ کھڑتالیں بجاتے، بھنگڑے ڈالتے، بولیاں بولتے، ڈھول بجاتے، وہ جنگل میں منگل کا سماں پیدا کر رہے تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے پنجابی جٹیاں اور مٹیاریں ڈھولکی بجاتی اور ماہیے گاتی۔ ان میں سے چند ایک وہ بھی تھیں جن کے پردیسی محبوب اب ان جہازوں میں نامعلوم دیس کو جا رہے تھے۔ ایک پالکی میں راجا اسبھی کی سب سے چھوٹی رانی پدماوتی بھی تھی، جو ٹیکسلا سے اس لیے بھاگی آئی تھی کہ کہیں اس کا لاابالی شوہر یونانیوں کے ساتھ چلنے کو تیار نہ ہو جائے۔ سکندر اور یونانی اس شاندار رخصتی کو کبھی نہیں بھولے۔

اس لمبے سفر میں یونانیوں کو بڑے مصائب اور کٹھنائیوں سے گزرنا پڑا۔ سکندر کیا کرتا کہ وہ فطرت جس کا اس نے مقابلہ کیا، ان سے کسی طرح کم نہ تھے جو جیسن اور اوگزیائس کو گولڈن فلیس (سنہری اون) کو ڈھونڈنے کی بحری سفر میں درپیش ہوئے۔ راستے میں ان سے خونریز جنگیں بھی ہوئیں اور ایک دفعہ تو ملی قوم نے سکندر کی جان ہی لے لی تھی اور وہ بال بال بچا تھا۔ لڑتے بھڑتے وہ دریائے سندھ کے دہانے پر پہنچ گئے جہاں اس نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصے کو امیر البحر نیرکس کی کمان میں سمندری ساحل کے ساتھ ساتھ خلیج فارس اور دجلہ کی بندرگاہ کو جانے کا حکم دیا۔ دوسرے حصے کو جرنیل کراٹیروس کی سرکردگی میں درۂ بولان اور قندھار کے راستے اپنے ایرانی پایۂ تخت پرسی پولس کو روانہ کیا۔ خود درۂ بولان سے جنوبی بلوچستان اور ساحل مکران کے راستے گھر کو چلا (اس سے مقصد کنارے کے ساتھ ساتھ امیرالبحر نیرکس کے بیڑے کے لیے خوراک اور پانی کے ذخیرے قائم کرنا تھا)۔ مہم منصوبے کی اپنی تحقیق کے مطابق بلوچستان میں بگٹیوں، مریوں، مینگلوں، بزنجوؤں، مرلنگیوں، مندکیوں وغیرہ نے اپنی مہمان نوازی کی روایات کو ترک کر کے ان مہمانوں کے ساتھ وہ سلوک کیا جو بالعموم بن بلائے مہمانوں سے نہیں کرتے۔ ان کی بھیڑوں اور بکروں کی سجی سے خاطرمدارات کرنے کی بجائے وہ یونانیوں کے خوراک کے ذخیروں پر ہاتھ صاف کرنے سے نہ چوکے۔ بگٹی اور مری بالخصوص چار پانچ سو یونانیوں کو ان کے گھوڑوں سمیت اغوا کر کے لے گئے اور ان کے ساتھ جو سلوک کیا وہ کوئی نہیں جانتا۔ سکندر کو بلوچوں کے اس غیرمسافرنواز رویے پر بے حد صدمہ ہوا اور اسے پنجاب کے بڑے پورس ہاتھی، راجا اسبھی اور راجا سوبھوتی کی خاطریں اور خاطرداریاں بڑی یاد آئیں۔ اس نے دیوتا اپالو اور اپنے جدامجد ہرکولیس کو منتیں پر قربانیاں چڑھائیں اور منت مانی مگر وہ (اپالو اور ہرکولیس) گونگ کر گئے۔ سکندر اس مارچ کے دوران اپنے بیشتر مال اسباب اور خوراک کے ذخیروں سے ہاتھ دھو بیٹھا اور ایران کی سرزمین پر قدم دھرتے ہی سجدۂ شکر بجا لایا۔ کسی

Scanned with CamScanner

نے کس طرح بحری مہمیں سلامتی سے پرمر کی بندرگاہ میں سرانجام ہوئیں۔ امیرالبحر نیرکس
کی سمت سمندری اسمے سے آیا وہاں فوج بھی تقریباً صحیح سلامت پہنچی ماسوا اس کے کہ
دو ترجمی سپاہیوں کو مجبوریوں نے کھا لیا تھا اور تقریباً سب کی سب قافلوں اور اپنائی ناشکری
کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے پرمر سے وہ سوسا کے شہر میں پہنچا جہاں
اس نے اپنی فتوحات کا ایک زبردست جشن منایا۔ ایک بڑی شاندار ضیافت کا اہتمام کیا گیا
جس میں اس نے سرداران فوج نے اور لشکریوں نے بھی بڑے ایرانی خواتین سے شادیاں کیں۔
وہ سپاہی جو شادی کرنے کی خواہش مند نہ تھے ان کی بھی شادی ہو گئی (اس کا پتا انہیں بعد
میں چلا جب کچھ نہیں ہو سکتا تھا)۔ اس اجتماعی شادی کے بعد سکندر نے اپنی اکثر امور
تحریر میں کہا کہ یہ شادیاں ایرانی اور یونانی قوموں کو ایک قوم بنانے کی خاطر عمل میں لائی
گئی ہیں۔ اس کے بعد اس نے ایتھنز میں یونانی ریاستوں کی لیگ کو (جس کا وہ منتخب
سپہ سالار جنرل تھا) نامہ بھیجا کہ اسے دیوتا قرار دیا جائے اور سرزمین چار مذبح تعمیر کر
کے اس کے حضور سالم جانوروں کی سوختنی قربانی چڑھائی جائے اور بخور جلایا جائے۔ اس پر
لیگ کے اراکین کا ماتھا ٹھنکا۔ غالباً سکندر کو کچھ ہو چلا تھا۔ مگر لیگ نے اس کا دیوتا ہونا
تسلیم کر لیا اور یہ بھی کہ وہ فلپ کی بجائے زیوس کا بیٹا ہے۔

سکندر ابھی جدامجد ہرکولیس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور بہت سے کارنامے سرانجام
دینا چاہتا تھا کہ وہ بابل کے شہر میں ایک عجیب عارضہ میں مبتلا ہو گیا۔ اس کے یونانی
طبیب اس مرض کی تشخیص نہ کر سکے گو یہ جس سے ایک نے کہا کہ یہ بیماری اسہال میں
میں پائی جاتی اور غالب دیوتاؤں کی بیماری ہے۔ مختلف دوا دارو تجویز کی گئیں مگر کوئی
افاقہ نہ ہوا اور اس کی حالت ردی ہوتی گئی۔ اس کے جرنل اور امرا سے کندھوں پر اٹھا کر
قدیم شام کے بادشاہ نبوخذنضر مرحوم و مغفور کے محل میں لے گئے جہاں اپنی فوج کی فاصل
پاسنگ کے بعد بوقت شام اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ جدید تحقیق کے مطابق
سکندر کی موت ملیریا سے واقع ہوئی تھی جس کے بارے میں اس زمانے میں کوئی نہیں جانتا
تھا۔ اس کی موت کے چند دن بعد اس کا پیمانہ دوست راجا امبی بھی (جسے سکندر کی موت
کی خبر نہیں پہنچی تھی) اغلباً اپنڈکس کے عارضے میں دنیا سے سفر کر گیا۔ موتوں ایسی
جوان جہاں تھے بتیس تینتیس سال کی عمر بھی کوئی عمر ہوتی ہے۔ ہائے صد افسوس!

کل کچھ تو اس چمن کی ہوا کھا کے گر پڑے
وہ کیا کریں جو غنچے ہی کمھلا کے گر پڑے

اب ہم تمہیں سکندر کے دیس جس عہد اور خوبصورت موزوں کی طرف لے چلتے ہیں جس کے
انتہائی دور میں سکندر (یا ہندوستان) دنیا کی غالب قوموں کی صف میں آ گیا۔

شاید ہم محسوس تو اس امر کا احساس ہے کہ سرسری تاریخ کچھ زیادہ ہی طویل ہوتی

جاتی ہے۔ دراصل اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں، ہم بھی فطرت سے مجبور ہیں۔ پھر بھی ہم
وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ غیرضروری تفصیلات سے اجتناب کریں گے (خاص ذکر اور ناقابل ذکر
بادشاہوں) کی تعداد کے پیش نظر کسی بادشاہ کو ایک آدھ سطر سے زیادہ تاریخ میں دی
جائے گی۔ اور بعض اس سرسری تاریخ کو اختتام تک پہنچاتے ہیں۔ اس سے پیشتر کہ یہ ہمیں
اختتام تک پہنچا دے۔

(سلسلہ جاری ہے)

افضال احمد سیّد
کی نظموں کا مجموعہ
دو زبانوں میں سزائے موت
قیمت پچاس روپے

Scanned with CamScanner

علی امام نقوی

میراث

دھک دھک کرتے دل سے اک ذرا پیچھے اک مہک رہی تھی اور اس کی بھینی نگھوں سے گھر کر آنکھوں کی پتلیوں تک پہنچنے کے بعد ملاقات کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ گھونگھٹ کی اوٹ سے بار بار کنکھیوں سے وہ سب گھر میں باورچی خانے کو ڈھونڈتیں، لیکن اس کی جستجو کی درمیان ہر بار کوئی چنچل لڑکی یا کوئی معمّر عورت دیوار بن جاتی۔

فضا میں گوبر کی بو، چکنی مٹی کی بساند، دوسرے درجے کے عطر اور لیپ کی مہک ملی جلی رقصاں تھی۔ کچھ دیر پہلے اس میں ایک خوشبو کا اضافہ اور ہو گیا۔ جانی پہچانی خوشبو۔ اس کی نظروں سے اوجھل باورچی خانے میں کسی پرسکون کی رسوئی میں ہونگ، الائچی زیرہ اور دارچینی قید کر کے کھولتے چاولوں میں ڈالی گئی۔ اور جب سے اس نے فضا میں اس کی خوشبو کو داخل محسوس کیا تھا اس کے دل سے بیچینی دھیکی ہوئی کہ میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ پھر اس نے کنکھیوں سے چاروں طرف دیکھا۔ شوخ رنگوں میں ملبوس سانولی سلونی لڑکیاں ہونٹوں چبانے کو کھسر پھسر ادھر ادھر آنےجانے میں مصروف تھیں۔ صحن کے درمیان نیم کے سائے میں ایک راہو موڑھے، دوسرا الٹی پلنگیں پر بوڑھیوں سے مبارک باد وصول کر رہی تھی ایک کونے میں تین ساتھیں رکشانی کھڑی تھیں۔ بیاہ میں آئے مہمانوں کے کم سن بچے اِن کے پاس کھیل رہے تھے۔ اور دو چار لڑکیاں سے ایسے حلیے میں لیے اس کی عورتوں پر پڑے ہوئے نالے کو کھولنے میں مصروف تھیں۔

"ابھی بتا دیں جانے میں کیسی۔ نام ہی بتا دو اپنا۔"

"ارے بیچ کو منہ بڑے آئی نام پوچھنے والی۔ تجھے کیوں بتائیں!"

"دور مو ئنگوڑیو۔ میں پوچھتی ہوں اب تو بتاؤ نام کیا ہے گا سمجھاؤ!"

"اری مجھے۔ مجھے لگا تیری مت ماری گئی۔ آج کے دن ایک ہی نام ہوتا ہے۔"

Scanned with CamScanner

تو جیسی تھی وہ مانو؟
"نہیں۔"
[illegible]
"کیوں، کیوں؟"
"میری بھی تو خواہش ہے"
"رک جا بھی۔"
"کیوں بھلا؟"
[illegible] والی [illegible] سلوار والیاں کیوں کہیں؟
[illegible]
[illegible] گزار کیوں نہیں [illegible]؟
"تو بھی [illegible]"
[illegible]

[illegible]

[illegible] رات آنکھ [illegible]

[illegible]

[illegible] پلاؤ [illegible]

[illegible]

[illegible] میں داخل ہونے سے پہلے اک پل کی خاطر جھجکی تھی۔ دوسرے ہی پل بھابھی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا تھا۔ [illegible] کمرے میں لے گئی۔ کمرے میں پہنچنے کے بعد [illegible] دیکھا اور سوچنے لگی [illegible] صحن میں کئی پلنگ بچھے ہیں۔ [illegible] جیسی تو روز [illegible] میں بوڑھی [illegible] کیا کرتی تھی، اب میری ساس ہے۔

[illegible] گھر میں داخل ہونے سے پہلے کی [illegible] دولہا نے مجھے [illegible] چڑھایا تھا اور [illegible] گھر کی طرف [illegible] عورتوں [illegible] دودھ کا [illegible] میرے دائیں پیر کی جراب اتاری تھی اور [illegible] میرے پیر دودھ سے دھلائے۔ اس کے فوراً بعد قرآن شریف [illegible] میرے پیر [illegible] کلام مجید رکھ دیا گیا [illegible] شریف کھولا [illegible] دوسرے کو دیکھا، میرے دل نے گواہی دی۔
"اچھا ہے۔"
"کیسی ہو منو؟" مجھلی بھابی [illegible] پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئی۔
"ارے [illegible] ہے میری بہو [illegible] اور بتاؤ میاں کیسا لگا؟" اس نے مجھلی بھابی کے سوالات پر چپ سادھ لی۔
[illegible]

Scanned with CamScanner

ہم نے ایک سلسلہ شروع کیا جس کو اب تک دو سال ہو چکے ہیں جس میں ہم نے مختلف کتب کو سافٹ میں منتقل کیا اور اس کے ساتھ ساتھ رسائل کو قابل تعریف ویب سائٹ سے بھی کتب کو پی ڈی ایف میں منتقل کیا۔ ہماری ہمیشہ سے کوشش رہی ہے کہ دوستوں کے لئے نایاب و اہم کتابوں کو سافٹ میں پیش کیا جائے۔

معروف ادبی جریدے "آج" کو سافٹ میں منتقل کرنا بھی اسی کوشش کا حصہ ہے اور ادبی ذوق رکھنے والے دوستوں کے لئے ایک تحفہ

محمد ثاقب ریاض / ایڈمن بزم کتب

آپ ہمارے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں تاکہ مزید اس طرح کی شاندار کتب تک آپ کی رسائی ہو سکے

ہمارا وٹس ایپ گروپ جس کے منتظمین کے نمبر ذیل میں ہیں

گروپ میں شمولیت کے لئے:

محمد ذوالقرنین حیدر: +92 [illegible]

محمد ثاقب ریاض: +92-344 [illegible]

Scanned with CamScanner

[illegible] لگی تو بہن نے اس سے کہا۔"
"بعد میں تو کھانا ہے۔"
"ابھی جاؤ تم، تو خوالہ تو نہیں تھی۔ میاں کا گھر تو شملوں کا گھر ہی جانے۔ کھانے کا شوق نہ ہونے کا" جواب اچھی طرح کہا ہی پکنے کے بعد اور کسی سے ذکر لیے ہوئے وہ [illegible] صابرہ کے سامنے اس نے کھانا رکھا تھا تو اسے پلاؤ یاد آ گیا۔ صبح کا ناشتہ [illegible]
"[illegible] لگی ہے؟" [illegible] نے پوچھا۔
صابرہ نے [illegible] کی پلیٹ میں سالن کی تل چھٹ، پکا و شب ہوئی۔ آلو کے ٹکڑوں اور [illegible] پر نکلیں چمکتی ہوئے اس نے چولہا [illegible]
"[illegible] بہت ہی اچھی لگی۔"

پلاؤ کی ایک پلیٹ سے الٹے والی بات سے بنا جہیز کا تصوراتی عموماً وقت کی ہر [illegible] میں مطلوب تھا۔ شب صابرہ کو [illegible] اور سسرال میں ایک ان سا فرق ہے۔ [illegible] گھر میں [illegible] کی امید رکھ سی گئی تھی۔ جب تک [illegible] ہو تیوار کے سہارے [illegible] کھڑے ہو کر [illegible] شامل تھا۔ ماں کو چولہوں سے فرصت ملتی تو وہ اس سے [illegible] چھوڑ لوگوں میں [illegible] جاتا پھر [illegible] اور زمین پر [illegible] آخر میں ماں اور [illegible] کر چولہا پورا کرتیں۔
[illegible] سے پہلے اس کی دلہن [illegible] نے چھوٹی سے اس کے کان میں کہا۔
"[illegible] کامل ہو جاوے گی۔ ذرا ہاتھ پاؤں چلا۔"
[illegible] کرتے ہوئے پنکھیں اس کے پاس آ بیٹھی تھی۔ کافی دیر تک [illegible] کی باتیں کرنے کے بعد اس نے لب سیا۔
"کل کی تاریخ [illegible] تو کل باورچی خانے میں جا کے دیگچیوں میں ہاتھ لگا لے۔"
[illegible] کے وقت [illegible] کی موجودگی میں پنکھیں نے اس سے [illegible] وہ اس کی بعد رات کے کھانے کی ذمہ داری [illegible] کو انجام دینے لیکن [illegible]
[illegible] سسرال سے متعلق جہیز کا تصور پاش پاش ہوا تھا۔ [illegible] کو کھانا [illegible] دیکھیں [illegible] میں [illegible] بھی تھیں۔ میاں کے سامنے کھانا رکھنے کے بعد پنکھا لے کر اس نے [illegible]

"تو نے کیا لیا؟" پہلا نوالہ توڑتے ہوئے میاں نے پوچھا۔
"کھا لوں گی۔"
مختصر سا جواب سن کر میاں نے نوالہ منہ میں رکھا۔ پھر چیڑ چیڑ کرتے ہوئے وہ ڈھائی روٹیاں کھا گیا۔ پیٹ میں بچے شوربے کو پینے کے بعد اس نے ڈکارتے ہوئے پیٹ سہلایا اور اس سے بولا۔
"کھا لے کر جلدی! چالو۔ ستوری پنڈلیوں میں بل سا کھٹکتا سا لگتا ہے تو دو چار مٹھیاں مار دے گی تو چین پڑ جائے گا۔"
برتن سمیٹ کر وہ باورچی خانے پہنچی تھی۔ میاں کی آگ کی روٹی سے اس نے دیگچی پونچھی اور چھوٹے چھوٹے نوالے حلق سے اتارتے ہوئے اپنے بابا کے متعلق سوچنے لگی۔ کافی دیر بعد پلکیں کے پکارنے پر وہ چونکی تھی۔ لوٹے کی ٹونٹی سے پیٹ بھر پانی پینے کے بعد وہ الٹی تو اس نے پلکیں لی [illegible] وہ [illegible] پلنگ پہ پڑی [illegible] دو بار [illegible] تجھے بلا چکا ہے۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے طاق میں سے سرسوں کے تیل کی شیشی اٹھائی تھوڑا سا تیل ہتھیلی پر انڈیلا اور میاں کی پنڈلیوں کی مالش کرنے لگی۔
"تو کہیں تو ہے ماں؟" میاں کی گٹی کی دھواں نتھنوں سے خارج کرتے ہوئے اس نے صابرہ سے پوچھا۔
"ہوں۔" پنڈلی کی ابھری ہوئی نسوں کو دیکھتے ہوئے اس نے مختصر سا جواب دیا۔
"کیسا لگی ہے تجھے؟"
"ٹھیک ہی لگے ہے۔"
"تو آ گئی، تو اب چین پڑا ہے۔ پتا ہے تجھے بھوں کو دیکھ کڑھا کروں تھا میں۔"
"کیوں بھلا؟"
"سوچوں تھا۔ کب بیاہ ہو گا اور کب گھر بسا وے گی۔"
"پہلے کیا کرو تھا؟"
"پہلے۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا پھر مسکراتے ہوئے پوچھا" کیا کرے گی پوچھ کر؟"
"بس یہ پوچھتی ہوں میں تو۔"
"گھر آتے ہوئے چنگی کے مفورے دو روپے کی پی لوں تھا۔"
"اور اب؟"
"اب بھی آٹھ بارہ آنے کی لگا لوں ہوں۔"
"ایک بات کہوں۔"
"ہاں بول۔"
"رکشا چھوڑ کچھ اور کام کر لو۔"
"کیوں؟"
"کب تک چلا گی رکشا؟"
"ہاتھ پاؤں چلیں ہیں تب تک۔"

Scanned with CamScanner

"اور کیا کھا لو ہو؟"

"بس چار سات روٹی کی دیہاڑی ہو جاوے ہے۔"

"بس؟"

"[illegible] سویرے ہی [illegible] رکھ [illegible] [illegible] اس طرح بچی وہی چار سات ہو گئے۔"

"آج کم بنا ہے کھیر میں۔" اس نے دھیمے سے کہا۔ "ایک آدھ روٹی اور پک جایا کرے تو اچھا ہے۔"

"کیوں؟"

"مٹو کبھی کوئی مہمان ہی آ جاوے۔"

"آٹا تو ہووے ہے، اور پکا لیا کر۔"

"ہوں۔"

"ارے چھوڑ ـــ یہ سارا ٹنٹا بڑی بھابی کا ہے۔ وہی منگوائے ہے راشن، اسی سے کہیو۔"

دو چار روز بعد [illegible] [illegible] بڑی [illegible] [illegible] میاں کو [illegible] [illegible] [illegible] کی طرف دیکھا [illegible] پنکھی نے لمبی سانسیں درست کرتے ہوئے کہا:

"عورت کی بھوک میاں کو کھلا کر مٹ ہی جاوے ہے باؤلی۔"

پنکھی [illegible] ماں کا چہرہ ابھر آیا۔ ایک مرتبہ اس نے جب اسی مسئلے پر بات کی تھی تو ماں نے کہا تھا:

"باؤلی، کمانے والے کا پیٹ بھر جا تو ہماری بھوک آدھی ہو جاوے ہے۔"

[illegible] [illegible] کو دیکھ [illegible] [illegible] بھرنے کی خاطر ایک اور زندگی دنیا میں آنے والی ہے۔

[illegible] بڑی [illegible] کی چیخ پکار سے پڑوسیوں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] پنکھی [illegible] [illegible] باورچی خانہ سنبھالا۔ [illegible] پنکھی کے [illegible] [illegible] بڑی [illegible] کی چیخوں میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ پنکھی [illegible] [illegible] کی [illegible] میں کمی نہیں ہو

رہی تھی۔ جھنجھلا کر پنکھی نے اونچی آواز میں بڑی بہو کو ڈانٹ پلائی:

"اے موئی ـــ تو تو یوں [illegible] رہی ہے گی جیسے پہلی بار بچہ جن رہی ہو۔"

پنکھی کو [illegible] [illegible] [illegible] لگی۔ چیخوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ اور ان ہی چیخوں کے درمیان [illegible] [illegible] آنکھیں پھیل گئیں۔ بڑی چھوٹو سے [illegible] سنبھل رہی تھی۔ [illegible] نے جلدی سے بچے کی نال کاٹ کر بچے کو دیکھا اور [illegible] بچے کی موت کا اعلان کر دیا۔ [illegible] پنکھی کے پاس [illegible] روتے روتے اسے باورچی خانے میں جانے کی ہدایت کی۔

بڑی کی [illegible] کی خبر [illegible] [illegible] گھر [illegible] [illegible] [illegible] گھر میں [illegible] [illegible] باورچی خانے میں بیٹھی اپنی بھیگی آنکھوں سے چاول، سالن کی دیگچیوں اور روٹی کی چنگیری کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

Scanned with CamScanner

آج

جون ۱۹۸۹

نارسنگ بیرجو · سعد حیدری · سید محمد خان
محمد خالد اختر · ڈونلڈ بارتھیلمی · ولیم سرویان
افضال احمد سید · ذی شان ساحل · سرینی محمد عباسی
سعید الدین · نیر مسعود · فروغ فرخ زاد · ...مقدم

سرما ۱۹۹۰

نجیب محفوظ · لیو ماسمار · کیم موریو
محمد علی سید · فہمیدہ ریاض · عذرا عباس
احمد فواد · محمد خالد اختر · کرم ...

بہار ۱۹۹۰

ماریو کورتیسو · میں مالوف · محمد عمر میمن
محمد سلیم الرحمن · جیک لنڈن · محمد انور خالد
... عباس · محمد خالد اختر · ...یوش ورزیسکی
ریکیبر ہیرو · وسلاو شیمبورسکا · الیگزانڈر ...

گرما ۱۹۹۰

وسعت اللہ ... · نور خان
حسن منظر · محمد سلیم الرحمن
شمیم الرحمن · شمس الحق
فہمیدہ ریاض

آج کی کتابیں

انتخاب

خورخے لوئس بورخیس

Jorge Luis Borges.

خورخے لوئس بورخیس

زخم کا ہلال

اس کے چہرے پر ایک گہرے زخم کا مسخ شدہ نشان تھا۔ راکھ کی رنگ کا یہ داغ ایک مکمل قوس بناتے ہوئے کنپٹی سے اس کے رخسار تک گہرا اتر گیا تھا اور اس کے دونوں کناروں پر حلقہ کھنچا ہوا تھا۔

اس کے اصل نام کی کوئی اہمیت نہیں۔ ٹاکوارامبو میں اسے ہر کوئی "لاکولوراڈا کا انگریز" کے نام سے بلاتا تھا۔ کاردوسو نے [illegible] خریدنے کی کوشش کی [illegible] اس نے انکار کر دیا تھا۔ اس انکار کے جواب میں [illegible] ایک غیر متوقع دلیل پیش کی یعنی کاردوسو پر [illegible] زخم کے نشان کا راز آشکار کر دیا۔

یہ انگریز ریوگرانڈودیل سُر یعنی سرحد سے آیا ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ برازیل میں وہ اسمگلر رہا تھا۔ ان زمینوں پر جو اس نے کاردوسو سے خریدی تھیں، گھاس اگ آئی تھی، اور کنوؤں میں کھارا پانی تھا۔ اس نے خود اپنے مزدوروں کے ساتھ مل کر زمینوں کو قابل کاشت بنانے کے لیے سخت محنت کی۔ کہتے ہیں کہ وہ ظلم کی حد تک سخت گیری کرتا تھا۔ لیکن اتنی ہی سختی سے عدل و انصاف کا پابند بھی تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ پیتا بہت تھا۔ سال میں کئی مرتبہ یوں ہوتا کہ وہ ایک کمرے میں دو دو تین تین دن تک بند ہو جاتا اور جب وہ بند کمرے سے باہر نکلتا تو اس کی حالت غیر ہوتی۔ چہرے کا رنگ اُڑا ہوا، پریشان حال، کانپتا لرزتا ہوا جیسے وہ ابھی ابھی کسی لڑائی کے میدان سے بھاگ آیا ہو یا تھپیڑوں کی کیفیت سے نکلا ہو۔

اس کی سرمئی پتھر سی ہوئی آنکھیں مجھے خوب یاد ہیں اور وہ پھرتیلا، چھریرا جسم اور بھوری مونچھیں۔ وہ ٹوٹی پھوٹی ہسپانوی زبان بول لیتا تھا لیکن اس میں برازیلی الفاظ کی بہتات ہوتی تھی۔ اسے کسی سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اس کی ڈاک بھی ایک آدھ کاروباری خط اور ایک آدھ پمفلٹ پر مشتمل ہوتی تھی۔

جب میں شمالی صوبوں سے گزر رہا تھا اور ٹاکوارامبو ندی میں سیلاب آ گیا تھا، مجھے رات بھر لاکولوراڈا میں رکنا پڑا۔ چند ہی لمحوں میں مجھے احساس ہو گیا کہ میری آمد ناگوار گزری ہے۔ میں نے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ [illegible] اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ میں نے انگلستان کی [illegible] بات کی۔ میرے ساتھی نے مجھ سے اتفاق کیا لیکن ساتھ ہی ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ مجھ پر یہ واضح کر دیا کہ وہ انگریز نہیں بلکہ [illegible] یہ کہہ کر وہ یوں چپ ہو گیا جیسے اس نے ایک گہرے راز کا انکشاف کر دیا ہو۔

رات کے کھانے کے بعد ہم صحن میں باہر نکل آئے۔ آسمان صاف تھا لیکن جنوب میں پہاڑیوں کے اس پار بجلیاں سی کوند رہی تھیں اور سمندر کے ساحل میں ایک طوفان پل رہا تھا۔ ہم ڈائننگ روم میں واپس گئے۔ لڑکا کھانے کی میز صاف کر کے رم کی ایک بوتل لے آیا۔ ہم کچھ دیر خاموشی سے پیتے رہے۔ مجھے معلوم نہیں رات کتنی بیت گئی تھی۔ جب میں نے محسوس کیا کہ میں بہت زیادہ پی گیا ہوں، اور جانے کس مستی میں، کس وجدانی کیف و سرور کے تحت، میں نے اس کے چہرے کے داغ کا ذکر چھیڑا۔ اس کا چہرہ ایک دم متغیر ہو گیا۔ چند لمحوں تک میں یہ سوچتا رہا کہ وہ مجھے گھر سے باہر نکال دے گا۔ لیکن تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد وہ بالکل نارمل آواز میں بولا:

"اس زخم کی داستان میں تمہیں سناؤں گا لیکن اس شرط پر کہ تم اسے من و عن بیان کرو گے۔ اس شرمناک حالات میں میں نے یہ زخم کھایا [illegible] اس داغ سے جو ذلت و رسوائی وابستہ ہے، اسے بغیر کسی رد و رعایت کے یا کمی بیشی کے اسی طرح پیش کیا جائے۔"

میں نے یہ شرط منظور کر لی، اور اب یہ داستان اسی طرح بیان کر رہا ہوں جیسے اس کے منہ سے سنی تھی۔ (اس نے یہ کہانی انگریزی میں سنائی تھی۔ لیکن یوں کہ انگریزی میں وہ بلاتکلف ہسپانوی اور پرتگیزی الفاظ اور فقرے شامل کر جاتا تھا۔)

ooooo

۱۹۲۲ میں کوناٹ کے ایک شہر میں میں ان لوگوں میں شامل تھا جو آئرلینڈ کی آزادی کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ میرے ساتھیوں میں بعض ابھی زندہ ہیں اور چند ایک قسمت کی ستم ظریفی سے ابھی تک لڑ رہے ہیں۔ سمندروں اور صحراؤں میں، اسی برطانوی جھنڈے کے نیچے جس کے خلاف انہوں نے بغاوت کی تھی۔ اور ایک، ان میں سے ایک جو سب سے زیادہ لائق ستائش اور بلند و بالا تھا وہ ہلاک کر دیا گیا۔ اس وقت ابھی پو پھٹ رہی تھی اور سپاہیوں کی آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں۔ [illegible] گولیوں سے چھلنی کر ڈالا۔

چند دوسرے ساتھیوں نے اس خانہ جنگی کے بے نام معرکوں میں اسی مقدر کا سامنا کیا۔ یہ لوگ زیادہ خوش قسمت تھے جو میدان کارزار میں کام آئے۔

ہم لوگ ری پبلکن تھے اور کیتھولک۔ اور ہم لوگ رومانوی خواب دیکھنے کے عادی تھے۔

ترقی ہمارے ہی صرف ایک *یونیورسٹی ... اور ناقابل برداشت حال ہی میں تھا۔ اس سے بہت سی روایتیں، خوش اسلوب ... ایک پوری نسل وابستہ تھی۔ وہ سدھو، جیالا اور سرخ داڑھی اور پارسل کی مونچھ اور پرانے نقشوں کی شان ... سب کچھ تھا۔ یہ رومانی ... ان ساتھیوں کے قصیدے گاتی تھی جو کسی جنم میں بہادر ہیرو تھے، کسی جنم میں مچھیرے اور کسی میں پہاڑ۔

ایک دوپہر جسے میں کبھی نہیں بھول سکتا، مسٹر ... ایک جوان ہم میں آ ملا۔ اس کا نام جوزف وسنت موری تھا۔ اس کی عمر بھی کوئی بیس سال کی ہو گی۔ دبلا پتلا کمزور اور سنجیدہ ... جیسے اس میں کوئی بات ہی نہ ہو۔ بڑے جوش و خروش اور بے جا غرور کے ساتھ اس نے اکثر کمیونسٹ مینوفیسٹو کا ایک ایک صفحہ پڑھ رکھا تھا۔ اس کے پاس ہر بحث کا حرف اور فقرہ جوڑ ... جدلیاتی مادیت میں موجود تھا۔ کسی آدمی کو چاہیے یا کسی سے متعلق ... وسنت موری ... ساری کائنات کی تاریخ ایک اقتصادی کشمکش تک محدود تھی اور اس نے یہ مطالعہ کی کامیابی ... کم تھی۔

رات کی تاریکی چھا رہی تھی اور ہماری بحث تھی کہ ختم ہونے میں نہ آتی تھی۔ ہم دالان میں ٹہلتے بحث کرتے رہے، سیڑھیوں سے اترتے بحث کرتے رہے، گلیوں میں گھومتے بحث کرتے رہے۔ ... اس کے لہجے کی قطعیت سے ... کامریڈ ... قائل ہو ... وہ سیدھی سچی رائیں رکھتا تھا اور لڑنے بھڑنے اور مخبری کے ساتھ ... پر تلا رہتا تھا۔

ہم ... شہر سے باہر نکلے ہی تھے کہ اچانک ایک جانب سے گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی۔ ہم تتر بتر ہو گئے۔ ... ایک سپاہی ایک جھاڑی سے باہر نکلا ... سرخ شعلوں کی روشنی میں وہ ایک دیو سا معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے چلا کر حکم دیا "رک جاؤ" میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ ... پیچھے مڑ کر دیکھا۔ جوزف وسنت موری جیسے مسحور ہو کر بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ وہ خوف سے منجمد ہو گیا تھا۔ میں واپس بھاگا اور اس سپاہی کے ایک گھونسا رسید کر کے اسے زمین پر چت کر دیا۔ پھر میں نے وسنت موری کو پکڑ کر ... وہ میرے ساتھ چپ چاپ ... اس کا بازو تھام کر ... خوف نے اسے بالکل ناکارہ بنا دیا تھا۔ پھر ہم بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس رات کی تاریکی میں ... شعلوں کی ... رائفل کی گولیوں نے ہمارا تعاقب ... ہم ... درختوں کے ... پہنچے ... اور آہستہ آہستہ رونے لگا۔

۱۹۴۲ کی خزاں تھی۔ ہم نے برکلے کی حویلی میں پناہ لی تھی۔ جنرل برکلے نے جنوبی بنگال میں کسی ... پر مامور تھیں اور ان کی حویلی خالی تھی۔ یہ حویلی سو سال پرانی تھی۔ اندھیرے کمرے، ڈراؤنی دالان، بے شمار غیر ضروری اندرونی حجرے اور بھول بھلیاں کے سے

کوریڈور۔ یہیں محل میں ایک عجائب خانہ تھا اور ایک بہت بڑی لائبریری جس کی کتابوں میں انیسویں صدی کی تدریج مرتب ہوتی تھی۔ عجائبات میں ٹیپو ... کے ... اور گھمسان، خونیں لڑائیوں کی مثالیں ابھی تک مرتسم تھیں۔

مجھے یاد پڑتا ہے ہم حویلی میں پچھواڑے کی طرف سے گھسے تھے۔ وسنت موری غائب رہا تھا۔ اس کا حلق خشک تھا۔ باوجود اس کے وہ کہہ رہا تھا "آج رات کے حادثات بڑے دلچسپ تھے"۔ میں نے اس کے زخم کی مرہم پٹی کی اور اسے گرم گرم چائے کی ایک پیالی بنا کر دی۔ مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا زخم معمولی ہے۔

اچانک اس نے احتجاج کے لہجے میں ہکلا کر کہا: "تم نے اپنے آپ کو بڑے خطرے میں ڈالا۔"

میں نے کہا "کوئی بات نہیں، میرے لیے پریشانی نہ ہو۔ جنگ میں ایسا ہوتا ہی ہے" (دراصل اس کو بچانے میں میری ایک غرض یہ بھی تھی کہ ایک آدمی کی گرفتاری ساری پارٹی کے لیے خطرے کا موجب ہو سکتی تھی) دوسرے ہی دن ... اس نے مجھ سے سگریٹ لی اور کش لگاتے ہوئے ہماری انقلابی پارٹی کے اقتصادی ڈرامے کے بارے میں مجھ سے سچی سچی ... استفسارات کیے۔ اس کے سوالات بڑے چبھتے تھے۔ میں نے اسے سچی بات سمجھائی کہ معاملہ بہت پیچیدہ ہے۔ پھر میں نے اس کو بتایا کہ ہمارے ساتھی ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ جنوب میں ابھی تک راتوں سے ایک برس رہی تھی۔ میرا ریوالور اور ریوالور میرے کمرے میں تھے۔ میں انہیں لے کر واپس آیا تو وہ صوفے پر لیٹا ہوا تھا۔ ... کیے ہوئے وہ تصور کر رہا تھا کہ اسے بخار چڑھا ہوا ہے۔ اور اس نے اپنے کندھے میں اینٹھن پیدا کر لی تھی جیسے اسے سخت درد ہو رہا ہو۔

اس لمحے میں سمجھ گیا کہ اس کی بزدلی لاعلاج ہے۔ میں نے بڑی نرمی سے کہا کہ وہ اپنی حفاظت کرے، اور باہر چلا گیا۔ اس بزدل اور حقیر آدمی کو دیکھ کر میں خود بڑی کوفت اور شرم محسوس کرتا تھا۔ جیسے وسنت موری نہیں میں بزدل ہوں۔ جب ایک آدمی کوئی کام کر بیٹھتا ہے تو گویا سارے انسانوں پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ... مناسب تھا کہ ایک آدمی کی باغ بہشت میں خدا کے حکم سے سرتابی انسان کی ... کا باعث ہو اور ایک گناہ سے ساری انسانیت آلودہ ہو جائے۔ اور اسی طرح یہ بھی انصاف پر مبنی تھا کہ ایک آدمی کی صلیب پر قربانی ساری انسانیت کو بچا لے اور مغفرت کا باعث بنے۔ شوپنہار نے غالباً سچ کہا ہے کہ "ہم سارے انسانوں میں ہیں؟ یعنی ہر آدمی سارے انسانوں میں ہے چنانچہ کسی نہ کسی ... سکتا ... جوزف وسنت موری اور شیکسپیئر دونوں ایک ہیں۔

ان دو روز تو راتیں ہم نے جنرل کے اس بے ہنگم بڑے مکان میں گزاریں۔ میں اس وقت جنگ کی ... کامیابیوں اور ناکامیوں کا ذکر چھیڑنا نہیں چاہتا۔ میں تو صرف اس باغ کی تاریخی داستان سنا رہا ہوں جو میرے چہرے پر نقش ہو کر چمک گیا ہے۔ میری یادوں میں وہ نو دن صرف ایک دن ہو گئے ہیں۔ سوائے اس آخری دن کے جب ہمارے ساتھی

Scanned with CamScanner

سڑکوں میں گھس ہے اور ہمارے ان سودہ ساتھیوں کا بدلا چکایا جو پلش کے چوک میں مشین گن سے ہلاک کیے گئے تھے۔ میں صبح صادق سے پہلے چھپتے چھپاتے اس گھر سے نکل گیا تھا جس میں رہ... تو وہیں گیا۔ میرا ساتھی وہیں کی سڑک پر میرا انتظار کر رہا تھا۔ ایسے زخم کی وجہ سے وہ مجھے ... نہیں سکتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں فوجی حکمت عملی کی ایک کتاب تھی، ایک لبی سائنس کلازوٹز "جدید جنگی حربوں میں توپوں کا قاتل ہوں"۔ اس نے مجھ پر ... کیا ... اس نے ہمارے پلاٹوں کے بارے میں ... وہ انہیں ... فوج ... تھا ... میں ترمیم و ... ہونا چاہتا تھا۔ ہماری اقتصادی بدحالی پر وہ چیں بجبیں ہوتا تھا اور ... ہمارے ... کی ... کی پیش گوئی کرتا تھا۔ وہ ہی جسمانی کمزوری اور ... کو چھپانے ... نظروں ... تھا۔ ... اس کی ساتھ ... جو ... کسی طرح کٹ گئے۔

دسویں کی ... شہر ... کے ... آ گیا۔ سڑکوں پر جابجا ... خاموش اور ... تھی ... شہر میں ... رہی تھی اور ... بادل ... ایک ... میں نے دیکھا ایک ... زمین پر ... کسی ... کا ... میرے ... سے زیادہ گہرا ... جس پر چوک میں سپاہی ... کی مشق کیا کرتے تھے۔

... صبح ... چلا گیا اور ... لائبریری میں کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ پھر اس کے لہجے سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ٹیلیفون پر بول رہا ہے ... میں ... سات بجے واپس ... اور پھر یہ مجبوری کہ ... میں ... کر رہا ہوں کہ میرا ... دوست بڑی ... سے مجھے فروخت کر رہا تھا۔ آخر میں میں نے یہ بھی سنا کہ وہ اپنی ذاتی حفاظت کی گارنٹی طلب کر رہا ہے۔

اور یہاں آ کر میری داستانی گڈمڈ ہو جاتی ہے اور اس کا ایک سرا کہیں گم ہو جاتا ہے ... میں ... کہ میں ... کے ... دالانوں میں ... چکر کھاتے ہوئے زینوں میں جو ... کی کیفیت پیدا کرتے تھے ... کہ ... سے واقف تھا، مجھ سے کہیں زیادہ تو ایک دفعہ وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ... سے ... کہ سپاہی مجھے روک سکیں میں ... سے ... کر ... میں ... سے ... اس کے چہرے پر ایک خونی ہلال تراشا۔

بورخیس، تم کہ ایک اجنبی ہو میں تمہارے سامنے یہ اعتراف کر رہا ہوں، تمہارا حقیر مجھے کوئی رنج نہیں پہنچا سکتا۔

○○○○○

یہاں پہنچ کر راوی خاموش ہو گیا۔ میں نے دیکھا اس کے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔

"اور ٹوپا ٹوری کا کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"اس نے دیکھا، میں ... سپاہی چوک میں ایک آدمی کا جسم گولیوں سے چھلنی کر رہے ہیں۔ اس نے یہی سودا کی غداری کی قیمت وصول کی اور برازیل چلا گیا۔"

داستان کے اختتام کا میں بے سود انتظار کرتا رہا۔ سسکیوں سے اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ اس نے زخم کے نشان کے ہلال کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا تم میری باتوں پر یقین نہیں کرتے؟ کیا تم نہیں دیکھ سکتے کہ ذلت و رسوائی کا یہ داغ ہمیشہ کے لیے میرے چہرے پر کندہ ہے؟ میں نے ... اس ... سے اس لیے ... تاکہ تم ... سے ... سن سکو جس نے میری جان بچائی میری ... کی ... میں نے غداری کی۔ اب مجھ سے نفرت کرو، میں ہی جون ونسنٹ مون ہوں۔"

○○○○○

(ہسپانوی)
انگریزی سے ترجمہ: ... شیرین
(... ادب لطیف، لاہور)

المعتصم تک رسائی

فلپ گیڈالا نے لکھا ہے کہ "بمبئی کے وکیل میر بہادر علی کا ناول 'المعتصم تک رسائی' مترجموں کے ... کی حامل ... اسلامی تمثیلی نظموں ... سراغ رسانی کے ناولوں کا ایک ... جو ناگزیر طور پر ... والسی سے ... جاتی ہیں اور ... کی ... بورڈنگ ہاؤسوں کی زندگی کی دہشت کو روشناس کرتے ہیں۔" اس سے پیشتر مسٹر سیسل ... بہادر علی کی کتاب کے بارے میں خاصی چبھتی ہوئی رائے دے چکے ہیں اور ... ولکی کولنز اور ... کی فارس کی ممتاز شخصیت فرید الدین عطار کی ... اور ... میرے کی ... کر چکے ہیں جو خاصی ... ہے ... گیڈالا نے ... خاص ترمیم کے ... ایک ... لہجے میں دہرایا تھا ... بنیادی طور پر ... سراغ رسانی ... جیسی ... نقادوں کی ... کرتے ہیں۔ شاید یہ ... ہمیں یہ ... کرنے پر ... اور چیسٹرٹن میں کوئی مشابہت ہے، ہم جلد ہی دیکھیں گے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

"المعتصم تک رسائی" کا اصل ایڈیشن ۱۹۳۲ کے آخر میں بمبئی سے شائع ہوا تھا۔ اس میں اخباری کاغذ کے درجے کا کاغذ ... کیا گیا تھا ... سرورق پر ایک عبارت خریدار کو مطلع

کرتی ہیں کہ یہ کتاب مصنف کے کسی ہندستانی کے قلم سے [illegible] کا پہلا ناول ہے۔ چند
مہینوں کے اندر اندر لوگوں نے اس کتاب کی، ایک ایک ہزار نسخوں پر مشتمل، چار ایڈیشن
خرید لیے۔ [illegible] ریویو شائع ہوئے، [illegible] ہندوستانی ریویو (الہ آباد) اور کلکتہ
[illegible] میں [illegible] کتاب پر توصیفی تبصرے تھے۔ اس توصیف سے متاثر ہو کر بہادر علی نے
کتاب کا ایک مصور ایڈیشن شائع کیا، جسے اب اس نے "[illegible] نامی شخص سے مکالمہ" کا
عنوان [illegible] "[illegible] ہوئے [illegible] کی تصویر" کا نہایت خوبصورت ذیلی عنوان دیا ہے۔ وہ ایڈیشن
[illegible] وکٹر گولانش نے دوبارہ تیار کر کے شائع کیا ہے۔ موجودہ
ایڈیشن میں ڈوروتھی ایل سیرز کا لکھا ہوا ابتدائیہ شامل ہے اور تصویریں غالباً ہمدردی کے
زیر اثر حذف کر دی گئی ہیں۔ [illegible] اس وقت میرے سامنے ہے۔ پہلا ایڈیشن حاصل
کرنے میں جو [illegible] قیاس ہے کہ اس سے کہیں بالاتر رہا ہو گا، مجھے کبھی کامیابی نہیں ہو
سکی۔ [illegible] استفادہ حاصل ہے جس میں
۱۹۳۲ کی پہلی ایڈیشن اور ۱۹۳۴ کی ایڈیشن میں پائے جانے والے فرق سے بحث کی گئی ہے۔
[illegible] میرے لیے یہ بہتر ہو گا کہ میں اس
کی کہانی کی مجموعی سطح کی تحریک سے نشاندہی کر دوں۔

[illegible] جس کا نام ہم کبھی نہیں جان پاتے، بمبئی کا ایک [illegible] کا
صاحب علم ہے۔ وہ [illegible] خیالات کے زیر اثر [illegible] اسلامی عقیدے پر یقین نہیں رکھتا
لیکن [illegible] محرم کی دسویں رات، شام پڑتے وہ خود کو مسلمانوں اور ہندوؤں کے [illegible]
[illegible] میں [illegible] گھر [illegible] سلامیوں کی [illegible] مسلمانوں کے
جلوس [illegible] بڑے بڑے [illegible] مختلف قسم کے لوگوں کے [illegible] میں سے [illegible] رہے ہیں۔
ایک چھت پر سے کسی ہندو کی پھینکی ہوئی اینٹ اڑتی ہوئی آتی ہے۔ ایک شخص دوسرے کے
پیٹ میں چاقو گھونپ دیتا ہے۔ [illegible] ہندو یا مسلمان [illegible] جاتا ہے اور [illegible]
کر [illegible] جھگڑے کے [illegible] مسلمانوں کے مقابل
[illegible] صاحب علم بھی ششدر ہو کر [illegible]
[illegible] وہ ایک ہندو کو مار ڈالتا ہے (یا سمجھتا ہے کہ اس
نے مار ڈالا ہے)۔ سرکار کی پولیس کے گھڑسوار [illegible] کی آواز سے [illegible] کرتی ہوئی، نیم خوابیدہ
[illegible] ساتھ [illegible] گھوڑوں کے سموں کی [illegible]
صاحب علم [illegible] شہر کے [illegible] دور افتادہ [illegible] کا رخ کرتا ہے۔ وہ ریل کی
دو پٹڑیوں کو [illegible] وہ ایک پرپیچ باغ کی منڈیر پر
چڑھتا ہے جس کی پشت پر ایک گول مینار بلند ہو رہا ہے۔ گلاب کی جھاڑیوں کے عقب سے
دودھیا رنگ کے [illegible] ایک چبوترہ "شہنشاہی [illegible]" [illegible] ہوتا ہے۔ ہرن کی طرح گھیر کر
وہ [illegible] میں پناہ لیتا ہے۔ وہ لوہے کی ایک سیڑھی پر چڑھتا ہے جس کے کچھ ڈنڈے غائب ہیں
[illegible] ایک گول چھت پر پہنچ جاتا ہے جس کے بیچوں بیچ ایک اندھیرا کنواں ہے۔
[illegible] عجیب [illegible] جو چاند کی روشنی میں اکڑوں بیٹھا پیشاب کر رہا ہے۔ وہ

اسے واردار بتاتا ہے کہ اس کا پیشہ مقدس کپڑے میں کفنائے ہوئے مردوں کے سونے کے دانت چرانا
ہے جنھیں پارسی مینار میں چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ [illegible] کی اور بھی خباثت بھری باتیں
بتاتا ہے اور بتاتا ہے کہ اسے بھینس کے گوبر سے خود کو پاک کیے ہوئے چودہ راتیں گذر گئی ہیں۔
بڑی نفرت سے گجرات کے کچھ [illegible] کا ذکر کرتا ہے "وہ کتوں اور چھپکلیوں کو کھا
[illegible] ہیں [illegible] ایسے ہی گندے ہیں جیسے ہم [illegible]" [illegible] ڈھلنے لگتی ہے [illegible]
گدھوں کی مہیب آوازوں سے بھر جاتی ہے۔ تھکن سے چور ہو کر صاحب علم کو نیند آ جاتی
ہے۔ جب اس کی آنکھ کھلتی ہے تو سورج چڑھ آیا ہے اور کفن چور جا چکا ہے۔ اس کے ساتھ ہی
علم کی جیب سے چند ترچناپلی سگار اور چاندی کے کچھ روپے بھی غائب ہیں۔ پچھلی رات
[illegible] کے زیر اثر وہ خود کو ہندوستان کی پیچیدگی میں گم کر دینے کا قصد کرتا ہے۔
اس فکر میں غرق ہے کہ اس نے کس طرح خود کو ایک بت پرست کی جان لینے کے قابل
کیا، جب کہ اسے یہ بھی یقین نہیں کہ ایک مسلمان کے معتقدات ایک ہندو کے معتقدات
نسبتاً زیادہ درست ہیں۔ وہ اپنے ذہن سے گجرات کا نام نہیں نکال پاتا، اور [illegible] پالن پور کی
[illegible] (پالن پور کی ذات کی عورت) کا، جو کفن چور کی نفرت اور حقارت کا ہدف تھی۔
غور کرنے پر اسے ایک ایسے خبیث شخص کے بغض کا ہدف ایک خاص توصیف کا مستحق معلوم
ہوتا ہے۔ وہ مایوسی کے عالم میں [illegible] کو تلاش کرنے کی ٹھان لیتا ہے۔ مختصر
[illegible] وقفے کے بعد وہ ایک پُرسکون ناتوانی کے ساتھ ایک طویل سفر کا آغاز کرتا ہے اور
اس تحریر کا دوسرا باب انجام کو پہنچتا ہے۔

بقیہ انیس ابواب کے نشیب و فراز کا خاکہ بنانا ناممکن ہے۔ اس میں، ذلت و خواری
لے کر [illegible] غوروفکر تک، انسانی روح کے سفر کے تمام امکانات تمام کرنی ہوتی
[illegible] اور ہندوستان کے وسیع جغرافیے پر پھیلی ہوئی مسافرت کے علاوہ [illegible] ذات
پیچیدہ [illegible] کا بیان موجود ہے۔ بمبئی سے شروع ہونے والی کہانی پالن پور کی گھاٹیوں
آگے بڑھتی ہے، بیکانیر کے پتھریلے پھاٹکوں پر ایک [illegible] اور ایک رات کے لیے ٹھہرتی
بنارس کی ایک گلی میں ایک اندھے نجومی کی موت کا [illegible] کرتی ہے۔ کلکتے کی
عمارت کے درمیان [illegible] بازار میں عبادتوں اور [illegible] میں ملوث ہوتی ہے۔ مدراس کے
دفتر کی کھڑکی سے سمندر پر دنوں کو طلوع ہوتے دیکھتی ہے۔ [illegible] کی ایک
سے شاموں کے سمندر میں ڈوب کر مرنے کا نظارہ کرتی ہے۔ [illegible] میں [illegible] اور ایک
کی روداد سناتی ہے اور بالآخر [illegible] اور [illegible] کے [illegible] میں دودھیا رنگ
والے شکاری کتوں کی بو سے چند قدم دور، مکمل کرتی ہے۔

کہانی کا پلاٹ اس طرح ہے: ایک شخص — ہمارا جانا پہچانا بے عقیدہ اور مفرور طالب
علم — ادنیٰ ترین درجے کے لوگوں میں جا پڑتا ہے اور خود کو ایک طرح کی [illegible]
میں ان کے درمیان ڈھال لیتا ہے۔ اچانک — ایک غیر معمولی سراسیمگی کے ساتھ، جو [illegible]
انسانی قدموں کے نقوش دیکھ کر [illegible] پر طاری ہوتی تھی — سے [illegible] وقت اس

Scanned with CamScanner

میں ایک طرح کی تسکین کا ادراک ہوتا ہے جسے وہ [illegible] سے ایک [illegible] شخص میں ایک
[illegible] ایک [illegible] کی جھلک دیکھتا ہے۔ [illegible] اس طرح جیسے مطالعہ
میں ایک گمشدہ شخص بھی شامل ہو گیا ہو۔ [illegible] ہم یہ کہ [illegible] کرتا ہو وہ
غائب شخص [illegible] کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ اس سے وہ یہ نتیجہ اخذ
کرتا ہے کہ ایک شخص کے لیے کسی دوسرے کا، یا کسی دوست کا، عکس اس شخص
میں جھلک رہا ہے۔ [illegible] ہر بار غور کرنے پر وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ [illegible]
کسی نہ کسی جگہ ایک شخص ہے جس سے اس پاکیزگی کا ظہور ہو رہا ہے، کہیں نہ کہیں کوئی
ہستی ہے جو سچائی خود ہے، پاکیزگی ہے۔ طالب علم اپنی زندگی کو اس کی جستجو سے معمور
کرنے کو تیار رہتا ہے۔

اس طرح طالب علم کا سیدھا سادہ [illegible] ہر جھلک دکھاتا ہے ایک شخص تک رسائی پانے کی
[illegible] جستجو [illegible] کی [illegible] جھلکیوں کے سہارے جو اس شخص نے دوسروں
میں چھوڑی ہیں [illegible] میں کسی نقطہ پر [illegible] جھلک [illegible] دانائی، تحمل اور
سچائی کی [illegible] اور دم بدم بڑھتی ہوئی [illegible] کی روشنیاں۔ اس جستجو کے دوران جن لوگوں
سے [illegible] جاتے ہیں [illegible] سے زیادہ قریبی [illegible] کی نسبت سے یہ کہ [illegible]
بڑھ جاتا ہے۔ گو یہ [illegible] بہشت و صبح [illegible] کہ وہ [illegible] بیان [illegible] کی
[illegible] ہوتا ہے۔ بہادر [illegible] ایک [illegible] جس کا [illegible]
[illegible] المستعصم نامی شخص کی [illegible] پیش گوئی ہے۔ المستعصم [illegible] سے قریبی [illegible] ایک
نہایت مسرور اور بااخلاق ایرانی کتب فروش ہے جس کا [illegible] ایک ہی تھا۔

مرحلوں کی مسافت کے بعد طالب علم ایک ڈیوڑھی پر پہنچتا ہے جس کے پچھواڑے ایک
دروازہ ہے، جس پر [illegible] ایک [illegible] سی چق پڑی ہوئی ہے اور اس کے پیچھے
سے ایک [illegible] پھر دوسری بار [illegible] المستعصم کو
پوچھتا ہے۔ ایک شخص کی [illegible] کو کہیں ہے۔
طالب علم چق اٹھاتا ہے اور قدم آگے بڑھاتا ہے۔ یہ ناول کا اختتام ہے۔

اگر میں [illegible] کی [illegible] کی کامیاب پیش کش لکھنے والے پر
[illegible] اوصاف کی [illegible] اور دوسرے یہ [illegible]
کہ [illegible] جیسے [illegible] اوصاف سے [illegible] کیا ہے۔ [illegible] روشنی [illegible] پیکر [illegible]
جیسے [illegible] بہادر علی [illegible] میں [illegible] کہ دوسری [illegible]
[illegible] غیرمعمولی اور [illegible] المستعصم کو [illegible]
[illegible] اوصاف [illegible] ایک [illegible] ۱۹۳۹ [illegible]
میں [illegible] "المستعصم نامی شخص ایک حد تک علامت [illegible]
[illegible] کم نہیں کرتا۔ بدقسمتی [illegible] زیادہ عرصہ
[illegible] ۱۹۳۲ والے [illegible] اس وقت میرے ہاتھ میں ہے [illegible] ایک مشکل میں

طرح ہو جاتا ہے، المستعصم اب [illegible] ستارہ ہے اور [illegible] طرح
سے صوفیانہ [illegible] میں روح کی [illegible] بتدریج [illegible] روپ [illegible] ہے۔ [illegible] کی
بھرمار ہو جاتی ہے، [illegible] کا ایک سیاہ فام [illegible] المستعصم [illegible] میں [illegible]
ہے کہ اس کی جلد کی رنگت سیاہ ہے، ایک عیسائی [illegible] کی مدد سے وہ ایک [illegible] تیار ہو [illegible]
اور [illegible] ایک سرخ جسم والے [illegible] یاد پڑتا ہے کہ [illegible] سے ایک [illegible]
بنی اس مجسمے کی طرح بیٹھا دیکھا، جیسے میں نے اپنے ہاتھوں سے تراشا تھا، اور جس کی
میں [illegible] کی خانقاہ میں عبادت کیا کرتا تھا"۔ یہ سارے اعلانات کا مجموعہ ایک خدائے
واحد کا تصور قائم کرتا ہے جو انسانی روح کے لحاظ سے خود کو [illegible] کر لیتا ہے۔ بورخیس
[illegible] یہ خیال اتنا متاثر کن نہیں۔ یہ بات ہوں اس کے [illegible] خیال کے بارے میں [illegible] سکتا
جس کی رو سے خدا کو بھی کسی اور ہستی کی جستجو ہے اور کسی اور ہستی کو بھی اسے
سے بالاتر (یا کم از کم ہم مساوی) ایک اور ناگزیر ہستی کی [illegible] اسی طرح یہ جستجو [illegible]
تک، یا پھر یوں کہ [illegible] اور کسی مدور صورت میں [illegible]
[illegible] المستعصم [illegible] کیا ہے۔ [illegible]
جو [illegible] کا دعوی [illegible] اور جس کی اولاد میں آٹھ لڑکے تھے اور آٹھ لڑکیاں [illegible]
[illegible] غلام چھوڑے اور آٹھ [illegible] ۱۹۲۱ [illegible]
وہاں میں اس تک رسائی کی دشواری کا جواز یہ خیال ہو سکتا تھا کہ مسافرت کا حاصل
محض ایک مسافر ہے۔ ۱۹۳۳ [illegible] مذہبی نظریے کی [illegible]
فراہم ہوتی ہے جس کا [illegible] ذکر کیا ہے۔ میر بہادر علی [illegible] دیکھا [illegible]
[illegible] ترتیب سے [illegible] میں ناکام رہا، ایک [illegible]

[illegible] اس تحریر پر نظر ثانی سے مجھے احساس ہوا کہ شاید میں نے کتاب کی خوبیوں کا
مناسب طور پر بیان نہیں کیا۔ اس میں بعض [illegible] اظہار موجود ہیں۔ مثال کے طور
پر انیسویں باب میں پڑھنے والے کو ایک کردار میں المستعصم کے دوست کے وجود کا ادراک ہوتا
ہے جب وہ اپنے مخالف کے مغالطے کی محض اس وجہ سے تردید نہیں کرتا کہ راستی کے غرور
میں مبتلا نہ ہو جائے۔

یہ بڑی معروف بات سمجھی جاتی ہے کہ آج کی لکھی ہوئی کوئی کتاب کسی قدیم کتاب سے
مشتق ہو، خصوصاً جبکہ کوئی شخص (بقول جانسن) [illegible] ہونا نہیں
چاہتا۔ جوئس کی "یولیسس" کی، ہومر کی "اوڈیسی" سے متعدد [illegible] مماثلتوں کو
میں [illegible]
فرید الدین عطار کی منظوم کتاب منطق الطیر سے مشابہت کو [illegible]
اور [illegible] کی یہ عجیب و غریب توصیف عطا ہوئی۔ اس کے علاوہ بہادر علی کے ناول کی
دوسری مشابہتیں بھی نظر انداز نہیں کی گئیں۔ ایک [illegible] منظر اور کپلنگ
کی کہانی "شہر کی دیوار پر" کے بعض عناصر کی مطابقت کا سراغ لگایا ہے۔ بہادر علی اس

مطابقت کا اعتراف کرنا ہے ہیکل میں دیا ... کہ یہ ... غیر مصری ہو کر کہ مصری کی تصویریں ذات پر بنائی گئی تو تصویروں میں کچھ نہ کچھ مطابقت نہ ہو۔

اس میں بھی ہوئے مصنف ایلیٹ کو نامکمل تمثیل "دل میری کوبی" کے سر گستور یاد ہے ... جس میں ... [illegible] ... جیسے کہ ... ایک مقالہ ... مضمون (ستمبر ۱۸۷۹) میں شائع ہی کی جا چکی ہے۔ سہاہت سنگسار کی ساتھ میں ایک بہت دور دراز کی سمت ... کی جانب اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ یروشلم کا داستان کو ... جس ... سولھویں صدی میں دعو کیا تھا کہ کسی ... یا آقا کی روح کسی ... کو ... کی روح میں داخل ہو سکتی ہے۔ اس قسم کی تناسخ کو "ابر" کہا جاتا ہے (۱۹۲۵)

اس موت کے سلسلے میں ... ایرانی صوفی فریدالدین ابوطالب محمد بن ابراہیم عطار کی "منطق الطیر" سے رجوع کیا، جو ... کے وقت چنگیز خان کی ... سپاہیوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس طویل نظم کا خلاصہ بیان کرنا غالباً بے جا نہ ہو گا۔ پرندوں کا دور افتادہ بادشاہ سیمرغ چین کے وسطی علاقے میں ... گرا دیتا ہے۔ ... پرندے اسے تلاش کرنے کا تہیہ کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اس بادشاہ کے نام کا مطلب ہے تیس پرندے۔ وہ یہ کہ اس کا شاہی محل کوہ قاف پر ہے جو ... پہاڑوں کا ... سلسلہ ہے ... زمین کو ... ہے وہ ... سات سمندروں کو پار کرتے ہیں ... پرندے ... [illegible] ... کرتے ہیں ... جو ... ہاتھوں بالکل پاک ہو چکے ہیں۔ سیمرغ کے پہاڑ پر قدم رکھتے ہیں۔ ... وہ اس شخص تک پہنچتے ہیں کہ وہی سیمرغ ہیں اور سیمرغ وہ سب اور ان میں سے ہر ایک ہے (فلاطینوس کے Enneads میں بھی وحدت کے اصول کی ... پھیلاؤ کا بیان موجود ہے ... ہر شے ہر جگہ موجود ہے ... سورج کا مطلب ہر ستارہ اور ہر ستارہ سے مراد ہے تمام ستارے اور سورج"۔ "منطق الطیر" کا ... میں ترجمہ ... کیا ہے اور ... میں ... اس موت کی ... "... و ...". ... کے مضمون "... کے صوفی عطار" سے مدد لی ہے۔

اس علم ... کے ... میں مشابہت کی شکایت بہت زیادہ نہیں ہے۔ ... کچھ ... جو ایرانی ... المعتصم سے منسوب کیے ہیں۔ غالباً کچھ اور الفاظ کا مبالغہ ہیں جو ... کم ہوں گے ہیں اور چند خوبصورت مشابہتیں۔ ... جستجو کرنے والے کی جستجو ... سے اشارہ کرتی ہیں ... کہ ... جستجو کرنے والا ... ہو سکتا ہے ... یہ ... المعتصم ... جو طالب علم کے خیال میں ... قتل ہو گیا ہے۔

(... ہے)

پیراڈائز و

تیوڈورس سیکولس ایک ٹوٹے اور بکھرے ہوئے خدا کی کہانی بیان کرتا ہے ہم میں سے کس نے جھٹ پٹے میں چلتے ہوئے یا ماضی کی کوئی تاریخ ڈالتے ہوئے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ کوئی بیش بہا شے گم ہو گئی ہے؟

انسانوں سے ایک چہرہ گم ہو گیا ہے دوبارہ نہ مل سکنے والا ایک چہرہ اور تمام لوگ وہ پطرس ہونے کی آرزو کرتے ہیں جو روم میں ویرونیکا کو دیکھتا ہے اور وہ ... اعتقاد کرتا ہے میرے خداوند یسوع مسیح اے سچے خدا کیا میری شباہت ہی وضع ہوئی تھی؟

ایک سڑک کے کنارے پتھر کا بنا ہوا ایک چہرہ ہے، جس پر کھدا ہوا ہے "زائتس کے خداوند کے مقدس چہرے کی سچی شبیہ"۔ اگر ہم واقعی یہ جان سکیں کہ وہ کیسا تھا تو تمام حکایات کی کنجی ہماری ہو گی، اور ہم یہ جان جائیں گے کہ آیا بڑھئی کا بیٹا واقعی خدا کا فرزند تھا۔

پال نے اسے ایک روشنی کی صورت میں دیکھا، جس سے وہ تیورا کر زمین پر گر پڑا۔ جان نے وہ پوری شدت سے جلتے ہوئے سورج کی طرح نظر آیا۔ ٹیریزا ... نے کئی مرتبہ دیکھا ایک ساکت نور میں ... اور وہ کبھی اس کی آنکھوں کے رنگ کا اندازہ نہ کر سکی۔

ہم نے یہ خدوخال کھو دیے ہیں جس طرح کوئی ... سے بنا ہوا ایک طلسمی عدد کھو بیٹھے یا جیسے کوئی بدلتی ہوئی شکلوں کے ... میں کسی شے کو ہمیشہ کے لیے گم کر دے۔ ہم ... ہو سکتا ہے، ان نقوش کو دیکھتے ہیں اور ان سے بے خبر رہتے ہوئے گلی سے گذرتے ہوئے کسی یہودی کا رخ شاید مسیح کا رخ ہے۔ ٹکٹ گھر کی کھڑکی سے ہمیں ریزگاری لوٹاتے ہوئے یہ ہاتھ شاید ان ہاتھوں کی تکرار ہیں جنہیں ایک روز سپاہیوں نے صلیب پر کیلوں سے جڑ دیا تھا۔

شاید اس مصلوب صورت کے کچھ نقوش ہر آئینے میں جھلکتے ہیں۔ شاید وہ چہرہ اس لیے مٹ گیا، منسوخ ہو گیا تاکہ خدا، ہم سب ہو سکے۔

کون جانتا ہے کہ آج رات ہم اسے خوابوں کی بھول بھلیوں میں دیکھیں گے اور کل اسے جانتے تک نہ ہوں گے۔

گواہ

پتھر کی بنی ہوئی اس گرجا کے تقریباً سائے میں واقع ایک اصطبل میں بھوری آنکھوں اور بھوری داڑھی والا ایک شخص حیوانوں کی باس کے درمیان لیٹا عاجزی سے موت کا یوں منتظر

ہے جیسے کوئی نیند کا انتظار کرتا ہو۔ دیر بعد گہرے پوشیدہ ترامیں کی تعمیل میں، رفتہ رفتہ دھند ہے اور اس جسم کوسے میں سایہ گھومتا جاتا ہے، باہر جل جلاتے ہوئے کھیت ہیں، مردہ پیڑ سے بنی ہوئی بت کھڑے ہیں اور جنگل کے سرے پر بھیڑیوں کے قدموں کے نشان جمے ہوئے ہیں، یہ شخص، جس کے وجود سے کوئی باخبر نہیں، سوتا اور خواب دیکھتا ہے۔ اس کی آنکھ فرشتے کی آمد سے کھلتی ہے۔

اب تک گھنٹیوں کی آواز انگلستان کی سلطنت میں شام کا معمول بن چکی ہیں، لیکن یہ شخص [illegible] میں روح کو [illegible] مقدس بہشت اور سرسبزی [illegible] اور [illegible] سے [illegible] کے [illegible] گھوڑوں [illegible] کی [illegible] کا نظارہ بن چکا ہے۔ سورج مکمل سے پہلے وہ مر چکا ہو گا، اور اس میں ان بت پرستوں کی رسوم کا حرف بھی شاید کبھی نہ لوٹنے کے لیے ختم ہو جائے گا۔ اس [illegible] کی مرنے سے دنیا کچھ اور مفلس ہو جائے گی۔

[illegible] و [illegible] کی [illegible] میں [illegible] لوگوں پر اثر انداز ہونے والے واقعات، بہت گہری [illegible] صرف ایک شخص کے مر جانے کے ساتھ ختم جاتی ہیں، لیکن ہر موت میں کوئی چیز یا بیشمار چیزیں ختم ہو جاتی ہیں، سوائے اس کے کہ کائنات کسی [illegible] کا حصہ ہو جیسا کہ [illegible] خیال کرتے تھے۔

وقت کی [illegible] میں کہیں ایک دن ایسا بھی آیا تھا جب سورج کو دیکھنے والی آخری آنکھیں بند ہو گئیں۔ جونین کی جنگ اور ہیلن کا عشق کسی ایک شخص کے مر جانے پر موت تک پہنچے۔ [illegible] میں [illegible] کہ [illegible] کیا کچھ میرے ساتھ ختم ہو جائے گا؟ [illegible] سے کم ہو جائے گی؟ [illegible] کی آواز؟ [illegible] یا [illegible] کی [illegible] میں ایک [illegible] گھوڑے کی [illegible] کی ایک [illegible]؟

تغیرات

میں نے ایک ہال میں راستہ بتانے والا تیر کا ایک نشان دیکھا تو مجھے خیال آیا کہ یہ [illegible] علامت کبھی لوہے کی ایک شے رہ چکی ہے [illegible] ایک بے خطا مہلک شے جو انسانوں اور [illegible] کے گوشت میں [illegible] اور [illegible] میں سورج کی [illegible] کی [illegible] اور [illegible] سیکڑوں [illegible] کو [illegible] رحمی [illegible] کے لیے بخش دی تھی۔

چند روز بعد کسی نے مجھے ایک [illegible] شہسوار کی تصویر دکھائی۔ ایک [illegible] [illegible] کے سینے پر [illegible] تھا۔ مجھے معلوم ہو کہ یہ [illegible] ہوا میں [illegible]

[illegible] اور [illegible] کو [illegible] شور کی [illegible] شہسوار کی [illegible] سال کی ایک حصے سے زیادہ کچھ نہیں رہ گیا۔

[illegible] میں [illegible] کی ایک [illegible] دیکھی [illegible] میں [illegible] کو [illegible] کر [illegible] رکھ [illegible] وہ کوتاہ اور محدود [illegible] والی ایک اور [illegible] کی نشانی تھی، جو خود اسی [illegible] کی [illegible] میں [illegible] کی [illegible] کا [illegible] تھا۔

[illegible] اور [illegible] کی [illegible] اوزار، جنہیں حقیر یا سرفراز کر کے اب محض علامت [illegible] کی [illegible] میں [illegible] حیرت کیوں کروں؟ [illegible] رہی ہر کوئی [illegible] ہو [illegible] چکی ہو [illegible] کے [illegible] ہو گئی ہو، اور جب کہ کوئی نہیں جانتا کہ وقت خود اسے کس علامت کی شکل دے دے گا۔

خنجر

ایک خنجر دراز میں رکھا ہے۔

اسے پچھلی صدی کے آخر میں ٹولیڈو میں ڈھالا گیا تھا۔ لوئس میلیان لافینور نے اسے میرے باپ کو دیا تھا جو اسے یوروگوئے سے لے آئے۔ ایواریستو کیریگو نے ایک مرتبہ اسے اپنے ہاتھ میں پکڑا تھا۔

جس کسی کی نگاہ اس پر پڑتی ہے وہ اسے اٹھانے اور الٹ پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے، جیسے وہ ہمیشہ سے اس کی تلاش میں رہا ہو۔ ہاتھ تیزی سے منتظر دستے کو گرفت کر لیتا ہے اور طاقتور فرمانبردار پھل کلک کی آواز سے کھلنے بند ہونے لگتا ہے۔

یہ وہ نہیں جو خنجر چاہتا ہے۔

یہ دھات کی ایک ڈھالی ہوئی خوبصورت ٹکڑے سے کچھ زیادہ ہے۔ انسانوں نے جب اس کا تصور کیا [illegible] ایک ہی مقصد تھا۔ [illegible] وہی خنجر ہے جو [illegible] ایک شخص کو جسم میں گھونپ [illegible] وہ خنجر [illegible] جسم میں پیوست ہوا۔ یہ قتل کرنا چاہتا ہے، خون کی [illegible] جب [illegible] میز کی دراز میں [illegible] خنجر [illegible] کے [illegible] خواب [illegible] دیکھتا ہے۔ اسے تھامنے پر ہاتھ جی اٹھتا ہے، کیوں کہ دھات جی اٹھتی ہے [illegible] قاتل کا لمس محسوس کر کے جس کے لیے اسے ڈھالا گیا تھا۔

کبھی کبھی مجھے اس پر افسوس ہوتا ہے۔ [illegible] اور [illegible] معصوم غرور، اور سال ہیں کہ بیکاری سے گذرتے چلے جا رہے ہیں۔

Scanned with CamScanner

الوداع

ہم نے [illegible] کے کونے پر ایک دوسرے کو الوداع کہا۔ سڑک کی اس پار پہنچ کر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تم بھی مڑیں اور ہاتھ ہلا کر مجھے الوداع کا اشارہ کیا۔

لوگوں اور گاڑیوں کا ایک دریا ہمارے درمیان بہہ نکلا۔ یہ ایک عام سی [illegible] شام پانچ بجے کا وقت تھا۔ میں کیسے جان سکتا تھا کہ یہ خوفناک اور اجیرن دریا ایکرون ہے۔

اور اب میں اس یاد کو [illegible] اور اس پر تکرار کرتا ہوں۔ میں سوچتا ہوں کہ یہ جھوٹ تھا اور شاید اس الوداع کے پیچھے ایک دائمی جدائی تھی۔

کل رات کے کھانے کے بعد میں اندر ہی ٹھہرا رہا اور ان چیزوں کو سمجھنے کی خاطر وہ آخری تعلیمات پھر سے پڑھتا رہا جو افلاطون نے اپنے استاد سے منسوب کی ہیں۔ میں نے پڑھا کہ جب جسم کا خاتمہ ہو جاتا تو روح نکل کر جا سکتی ہے۔

اور اب میں نہیں جانتا کہ حقیقت اس بعد کی الوداع میں ہے یا اس کی ناخوشگوار تاویلات میں۔

کیونکہ اگر روحیں [illegible] تو موت نہیں ہو سکتیں [illegible] الوداع کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے۔

ایک دوسرے کو الوداع کہنا جدائی کا انکار کرنا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ آج ہم جدا ہونے کا ناٹک کر رہے ہیں، لیکن کل پھر ملیں گے۔ انسان نے الوداع کی رسم اس لیے ایجاد کی کہ وہ کسی نہ کسی طرح یہ جانتا ہے کہ وہ لافانی ہے، چاہے بظاہر وہ بے دلیل اور عارضی ہی معلوم ہوتا ہو۔

ڈیلیا، کسی دن (کس دریا کے کنارے؟) ہم پھر یہ غیر یقینی مکالمہ ایک بار پھر جوڑ لیں گے اور ہم ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ کب کسی شہر کے علاقے میں گم شدہ ایک شہر میں ہم بورخیس اور ڈیلیا رہ چکے ہیں۔

یونانی انتھولوجی کے ایک چھوٹے شاعر سے

کہاں ہے اب یاد
ان دنوں کی جو اس زمین پر تمہارے تھے
جو مسرتوں اور غموں کے ساتھ بسے تھے
اور ایک ایسی کائنات بناتی تھیں جو تمہاری اپنی تھی

برسوں کی دریا نے
انہیں اس یاد کے شمار سے نکال دیا
اور اب تم ایک فہرست میں محض ایک لفظ ہو

دیوتاؤں نے دوسروں کو شان و شوکت بخشی جس کا کبھی خاتمہ نہیں:
دستاویزات، سکوں پر کندہ نام، یادگاریں، ایماندار مورخ
اور تمہارے بارے میں، اے گمنام دوست،
ہم صرف اتنا جانتے ہیں
کہ ایک شام تم بلبل کی آواز سنتے تھے

سایوں کی درخت میں
تمہارا پرغرور سایہ
دیوتاؤں کو نامہربان گردانتا ہو گا

لیکن دن چھوٹی چھوٹی دکھوں کے تانے بانے ہیں
اور وہ راکھ ہی جانے سے بڑھ کر کیا سعادت ہو گی
جس سے فراموشی بنی ہے

دوسروں کے سروں پر دیوتاؤں نے عظمت کی ایسی روشنی نصب کر دی
جو ہمیشہ گوشوں کو بے نقاب کرتی ہے
اور ہر خطا کو دریافت کر لیتی ہے
عظمت، جو جس گلاب پر نگاہ کرتی ہے بالآخر اسے مسل ڈالتی ہے
دیوتا تم پر زیادہ مہربان تھے، میرے بھائی

اس بیکراں شام میں جو کبھی رات نہ ہو گی
تم تھیوکریٹس کی اس بلبل کی آواز سدا سنتے رہو گے

شطرنج

ایک گمبھیر کونے میں بیٹھے کھلاڑی سست رو مہروں کو آگے بڑھاتے ہیں

Scanned with CamScanner

شطرنج کی بساط سورج نکلنے تک انھیں اپنی قید میں رکھتی ہے
اس بساط پر ہر رنگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں

مہروں کی مختلف شکلوں میں کھیل کے طلسمی لوازم پوشیدہ ہیں:
ہومر کے جیسا قلعہ، سبک رفتار گھوڑے،
جنگجو ملکہ، پیچھے رہ کر فیصلہ کرنے والا بادشاہ،
غیر متعصب پیشوا اور حملہ آور پیادے

کھلاڑیوں کے اٹھ جانے کے بعد
اور موت کی گھات لگ جانے کے بعد بھی
یہ رسم جاری رہتی ہے
اس جنگ کی آگ پہلے پہل مشرق میں بھڑکی تھی
اور اب ساری دنیا اس کی تماشاگاہ ہے
دوسرے کی طرح یہ کھیل بھی دائمی ہے

بزدل بادشاہ، عیار پیشوا، بےرحم ملکہ
مضبوط قلعہ، حیلہ ساز پیادے
پہلے سیاہ اور سفید راستوں پر چڑھائی کرتے
اور جنگ کا آغاز کرتے ہیں

وہ نہیں جانتے کہ ان کی تقدیر کے پیچھے
شطرنج کے کھلاڑی کا مشاق ہاتھ ہے
وہ نہیں جانتے کہ ان کی خواہش سے ماورا، ایک سفاک تقدیر
جنگ کی یہ بساط بچھاتی ہے
لیکن کھلاڑی خود بھی قیدی اور بساط پر تقدیر کا زندانی ہے
(یہ قول عمر خیّام کا ہے)
جو اندھیری راتوں اور روشن دنوں سے مل کر بنی ہے
خدا اسے حرکت دیتا ہے اور وہ مہروں کو

لیکن خدا کی پشت پر کون ہے جس نے
خاک اور وقت اور خواب اور کرب کے
اس کھیل کا آغاز کیا ہے؟

متّی : XXV، ۳۰

کانسٹی ٹیوشن کے ریلوے اسٹیشن کا پل، میرے قدموں تلے
آتی جاتی گاڑیاں آہنی بھول بھلیوں کے راستے ڈھونڈتی ہیں
بھاپ پُرشور سسکاری کے ساتھ رات میں اوپر چڑھتی ہے
جو ایک ہی لمحے میں یوم حساب کی رات ہے
نظروں سے اوجھل افق سے
— میری ہستی کے مرکز سے —
ایک لامحدود آواز یہ چیزیں ادا کرتی ہے — چیزیں، الفاظ نہیں —
وقت میں قید یہ میرا ناقص ترجمہ ہے
اس شے کا، جو ایک طویل لامتناہی لفظ تھا:

ستارے، روٹی، مشرق و مغرب کے کتب خانے
تاش کے پتّے، شطرنج کی بساطیں، گیلریاں، آسمانی روشندان، تہ خانے
زمین پر چلنے پھرنے کے لیے ایک انسانی جسم
خواب اور موت میں بڑھتے ہوئے ناخن
فراموشی کے لیے سائے، مصروف ذہن میں مشغول آئینے
موسیقی کی آبشاریں، وقت کی شکلوں میں سب سے زیادہ نازک
برازیل اور یوروگوئے کی سرحدیں، گھوڑے اور صبحیں
کانسی کا باٹ، گریٹر ساگا کی ایک جلد
الجبرا اور آگ، جونین میں تمھارے لہو کی دھمک
بالزاک سے زیادہ پرہجوم دن، عشق پیچاں کی خوشبو
محبت، اس کی ناگزیریت اور ناقابل برداشت یادیں
مدفون خزانوں جیسے خواب، مہربان تقدیر
اور خود یادداشت جس پر ایک نظر آدمی کو دوارِ سر میں مبتلا کر دیتی ہے
یہ سب کچھ تمھیں دیا گیا اور اس کے ساتھ وہ
جو سورماؤں کی قدیم غذا ہے:
غداری، شکست اور توہین
سمندروں کا پھیلاؤ تم پر ضائع ہو گیا
اور وٹمین کی آنکھ سے دیکھا جانے والا شاندار سورج
اور تمام برس جن کو تم نے (اور جنھوں نے تمھیں) صرف کیا،
اور پھر بھی، پھر بھی تم نے نظم نہیں لکھی

Scanned with CamScanner

دو مابعدالطبیعیاتی پیکر

انسانی شعور کی اصل کے اسرار کی تحقیق سے تصوّراتی حیوانات کو دو عجیب مخلوقات ملی ہیں۔ ان میں سے ایک کا ظہور اٹھارویں صدی کے تقریباً وسط میں ہوا اور دوسری کا سو برس بعد۔

پہلی مخلوق ایتی این بونو دکوں دیاک (Etienne Bonnot de Condillac) کا حساس مجسمہ ہے۔ ڈیکارٹ (Descartes) جیسی خیالات کی افلاطونی نظریے کا موقف تھا۔ کوں دیاک نے اس کا رد کرنے کی غرض سے ایک سنگی مجسمے کا تصور کیا جو انسانی جسم کی مشابہت میں تھا، اور ایک ایسی روح کا مسکن تھا جو خیال یا ادراک سے کبھی آشنا نہیں ہوئی تھی۔ کوں دیاک اپنے مجسمے کو سب سے پہلے صرف ایک حس سے متّصف کرتا ہے: سونگھنے کی حس، جو تمام حسیات میں شاید سب سے کم پیچیدہ ہے۔ یاسمین کی مہک کا ایک جھونکا مجسمے کے سوانح کی ابتدا ہے۔ ایک لمحے کے لیے اس پوری کائنات میں اس مہک کے سوا کچھ نہیں، یا زیادہ درست یہ ہو گا کہ کائنات یہی مہک ہے، جو اگلے لمحے گلاب کی خوشبو ہو گی، پھر گلنار کی۔ جب مجسمے کا شعور کسی ایک مہک کا مسکن ہوتا ہے تو توجہ جنم لیتی ہے۔ جب کوئی خوشبو اپنے محرک کے ختم ہو جانے کے بعد بھی باقی رہ جاتی ہے تو یادداشت ملتی ہے۔ جب ایک موجود اور ایک گزشتہ تاثر بیک وقت مجسمے کی توجہ کو مسکن کرتے ہیں تو تقابل کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ جب مجسمہ پسند اور ناپسند کا ادراک کرتا ہے تو قوت فیصلہ نظر آتی ہے۔ تقابل اور فیصلے کی صلاحیت کے دوبارہ ظاہر ہونے سے سوچ بچار کا جنم ہوتا ہے۔ جب ایک خوش کن مہک ایک ناگوار تاثر سے زیادہ واضح ہو تو تخیّل ملتا ہے۔ سمجھنے کی صلاحیت سے خواہش پیدا ہوتی ہے: کشش اور تنفّر، امید اور خوف۔ بہت سی ذہنی کیفیات سے گزر چکے ہونے کا شعور مجسمے کو اعداد کا مجرّد تصور عطا کرتا ہے؛ اور گلنار کی خوشبو ہونے، اور یاسمین کی مہک رہ چکے ہونے کے ادراک سے انا کا تصور جنم لیتا ہے۔

اس کے بعد مصنف اپنے مفروضہ آدمی کو سننے کی حس عطا کرتا ہے، پھر چکھنے کی، پھر دیکھنے کی، اور سب سے آخر میں چھونے کی حس بخشتا ہے۔ یہ آخری حس اس پر منکشف کر دیتی ہے کہ مکان موجود ہے، اور یہ کہ مکان کے سیاق و سباق میں وہ خود ایک جسم میں موجود ہے۔ اس مقام سے پہلے آوازیں، خوشبوئیں اور رنگ اس کے لیے محض اس کے شعور کے تغیّرات تھے۔

یہ تمثیل جو ابھی بیان کی گئی Traité des sensations سے موسوم ہے اور ۱۷۵۴ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس خلاصے کے لیے ہم نے ایمیل بریئے (Bréhier) کی تاریخ فلسفہ (Histoire de la philosophie) کی دوسری جلد سے استفادہ کیا ہے۔

دوسری مخلوق جس کا ظہور انسانی شعور کے قضیے سے ہوا، رُڈولف ہرمن لوٹسے (Rudolph Hermann Lotze) کا "مفروضاتی حیوان" (hypothetical animal) ہے۔ گلاب سونگھنے اور بالآخر ایک انسان بن جانے والے مجسمے سے زیادہ تنہا یہ وجود اپنی کھال میں صرف ایک متحرک حساس نقطہ رکھتا ہے، جس کی شدت اینٹینا کی طرح ہے۔ اس کی ساخت، جیسا کہ ظاہر ہے، ایک وقت میں ایک سے زیادہ ادراکات کے قابل نہیں۔ لوٹسے کا اصرار ہے کہ اپنے حساس نقطے کو پھیلانے اور سکیڑنے کی صلاحیت اس محروم محض حیوان کو (کانٹ کے بیان کردہ درجاتِ زمان و مکان کے بغیر) اس قابل کر دے گی کہ وہ اپنے بیرون کی دنیا کو دریافت کر سکے۔ یہ تمثیل Medizinische Psychologie (۱۸۵۱) میں ملتا ہے۔ ہانس وائیہنگر (Hans Vaihinger) اس کی مدح کر چکے ہیں۔

(سے The Book of Imaginary Beings)

(حسیات)

انگریزی سے ترجمہ: اجمل کمال

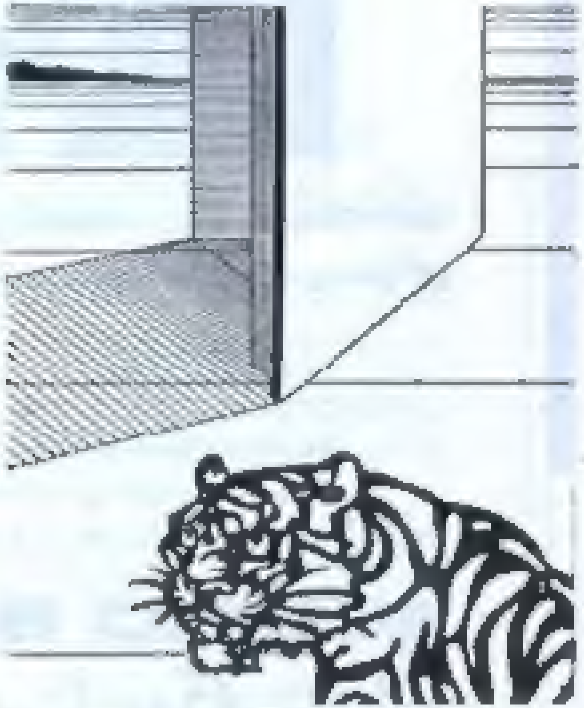

نیو پولیس اسٹیشن اور ہنگ ٹاؤن سیکٹر ۱۵ اے قریب، کے ڈی اے سے
منظور شدہ پہلا کم قیمت رہائشی و کمرشل پروجیکٹ

سونے جیسی زمین۔ مفت کے دام

گلشنِ توحید

گلشنِ بہار کے نزدیک

تمام شہری سہولیات
بشمول
پانی، بجلی، و گیس

بکنگ صرف
2500 روپے

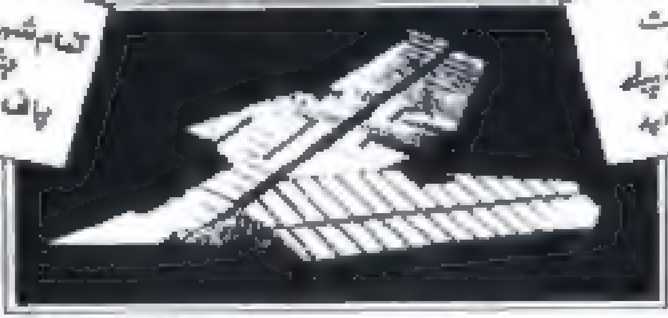

گلشنِ توحید، تاؤن پلانرز کی شب و روز محنت کا نتیجہ ہے پُرسکون اور پُرفضا مقام پر
واقع یہ رہائشی و کمرشل پروجیکٹ بہترین رہائش اختیار کرنے کے خواہشمند افراد کیلئے مثالی انتخاب ہوگا۔

مستقبل کی محفوظ سرمایہ کاری

وقتِ مقررہ پر پلاٹ کا قبضہ

گلشنِ توحید میں فراہم کردہ سہولتیں

ٹرانسپورٹ ہر وقت دستیاب ہے

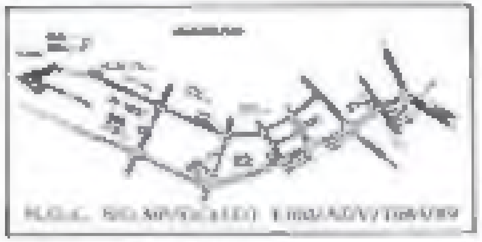

ندیم ہاؤسنگ انٹرپرائز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

605 ... 832237 832078

۱۴ اگست

ان سنہرے الفاظ کی چمک دمک آج بھی برقرار ہے

"کوئی ملک یا کوئی قوم اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتی
جب تک کہ وہ زراعت، تجارت اور صنعت میں معاشی
استحکام نہ حاصل کر لے"

— قائداعظم

الائیڈ بینک نجی شعبے کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے جو کردار انجام
دے رہا ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ الائیڈ بینک اپنی روشن
خدمات اور بے مثل حسنِ اخلاق کی بناء پر آپ کی اولین ترجیح ہے۔

ALLIED BANK

الائیڈ بینک

سونے جیسی زمین۔ مفت کے دام

گلشنِ توحید

گلشنِ بہار کے نزدیک

تمام شہری سہولیات بشمول پانی، بجلی اور گیس

بکنگ صرف 2500 روپے

گلشنِ توحید، ٹاؤن پلانرز کی شب و روز محنت کا نتیجہ ہے، پُرسکون اور پُرفضا مقام پر واقع یہ رہائشی و کمرشل پروجیکٹ بہترین رہائش اختیار کرنے کے خواہشمند افراد کیلئے مثالی انتخاب ہوگا۔

مستقبل کی محفوظ سرمایہ کاری

وقت مقررہ پر پلاٹ کا قبضہ

گلشنِ توحید میں فراہم کردہ سہولتیں

ٹرانسپورٹ ہر وقت دستیاب ہے

ندیم ہاؤسنگ انٹرپرائزز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

Scanned with CamScanner